سورۃ الضحیٰ

۹۳۔ الضحیٰ

نام آغاز ہی میں ضُحیٰ (روزِ روشن) کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''اَلضُّحیٰ'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ آغاز نبوت کے کچھ ہی عرصہ بعد نازل ہوئی تھی، جب کہ آپ کے سامنے دعوتِ حق کی مشکلات پہاڑ بن کر کھڑی تھیں۔ اور منکرین رسالت کے طنز و تشنیع سے آپ کبیدہ خاطر ہو رہے تھے۔

مرکزی مضمون خطاب براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شاندار مستقبل عظیم عنایات سے نوازے جانے کی خوشخبری دیتے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تسلی کا پورا پورا سامان کیا گیا ہے۔ یہ تو ہے اس سورہ کا خاص پہلو۔ لیکن اس خاص پہلو کے ساتھ اس کا ایک عام پہلو بھی ہے، جو فحوائے کلام سے واضح ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کارزارِ حیات میں انسان کو جن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یا راہِ حق میں جن دشواریوں سے گذرنا پڑتا ہے، ان کو اللہ کی ناراضگی پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ یہ ابتلا و آزمائش کے لئے ہوتی ہیں۔ اور وہ انسان کیلئے حقیقی ترقی کے مدارج طے کرنے کا ذریعہ ہیں۔ یہی اس سورہ کا مرکزی مضمون ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ اور ۲ میں دن اور رات کی شہادت پیش کر کے، اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے، یہ دنیا بنائی ہی اس طرح ہے کہ یہاں نور بھی ہے اور ظلمت بھی۔ اسی طرح تکلیفیں بھی ہیں اور راحت بھی۔ اور یہ دونوں حالتیں آزمائش کے لئے ضروری ہیں۔

آیت ۳ میں مذکورہ بالا حقیقت کے پیش نظر یہ واضح کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ حق کی، جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، اس کا یہ مطلب لینا ہرگز صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے نظر عنایت پھیر لی ہے، یا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ناراض ہوا ہے۔

آیت ۴ اور ۵ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عظیم کامرانیوں کی بشارتیں دی گئی ہیں۔

آیت ۶ تا ۸ میں ان مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعثت سے پہلے دوچار ہوئے۔ نیز خدا کے ان احسانات کا بھی، جن کے نتیجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے راہیں کھلیں۔

آیت ۹ تا ۱۱ میں بتایا گیا ہے کہ ان احسانات کا تقاضا کیا ہے؟ یعنی اس کے نتیجہ میں تمہارا رویّہ کمزوروں اور بے بسوں کے ساتھ ہمدردانہ ہونا چاہئے، اور خدا کی نعمت کا اعتراف و اظہار کرنا چاہئے۔

سُوْرَةُ الضُّحٰى

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالضُّحٰىۙ ﴿۱﴾

وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰىۙ ﴿۲﴾

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ ﴿۳﴾

وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰىؕ ﴿۴﴾

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰىؕ ﴿۵﴾

اَلَمۡ يَجِدۡكَ يَتِيۡمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰىؕ ﴿۸﴾

فَاَمَّا الۡيَتِيۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡؕ ﴿۹﴾

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡؕ ﴿۱۰﴾

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾

۹۳۔ سُوْرَۃُ الضُّحٰی

آیات:۱۱

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ قسم ہے روزِ روشن کی، ا؎

۲ اور رات کی، جب وہ طاری ہو جائے، ۲؎

۳ (اے پیغمبر!) تمہارے رب نے نہ تمہیں چھوڑا اور نہ تم سے ناراض ہوا۔ ۳؎

۴ اور آخرت تمہارے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ ۴؎

۵ اور عنقریب تمہارا رب تمہیں وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ ۵؎

۶ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس نے تم کو یتیم پایا تو ٹھکانا دیا ؟ ۶؎

۷ اور راہ سے بے خبر پایا ۷؎ تو ہدایت دی؟ ۸؎

۸ اور نادار پایا تو غنی کر دیا ؟ ۹؎

۹ لہٰذا تم یتیم کو مت دباؤ۔ ۱۰؎

۱۰ اور سائل کو نہ جھڑکو۔ ۱۱؎

۱۱ اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔ ۱۲؎

۱۔ قسم کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ تکویر نوٹ ۱۴۔

۲۔ یہاں جو قسمیں کھائی گئی ہیں ان سے مقصود اس اصولی حقیقت کو ذہن نشین کرانا ہے کہ اس دنیا کا نظام، اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ یہاں ہمیشہ ایک ہی حالت اور ایک ہی کیفیت طاری نہیں رہتی۔ یہاں دن کی روشنی بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی۔

ومہما استطال اللیل فاالصبح واصل اور رات خواہ کتنی ہی طویل ہو صبح نمودار ہو کر رہتی ہے۔

اس لئے جس طرح رات کی تاریکی کو دیکھ کر کسی کا روشنی سے مایوس ہو جانا صحیح نہیں۔ اسی طرح تکلیف اور مصیبت کے امڈتے ہوئے بادلوں کو دیکھ کر، یہ خیال کرنا بھی صحیح نہیں کہ یہ بادل کبھی چھٹنے والے نہیں ہیں۔ اور نہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح ہے کہ دنیا کی تکلیف لازماً، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بلکہ جس طرح آزمائش کے لئے رات اور دن دونوں کا وجود ضروری ہے، اسی طرح تکلیف اور راحت دونوں ابتلاء کے لئے ضروری ہیں۔ نیز تکلیفیں انسان کی تربیت اور اس کی مخفی صلاحیتوں کو ابھارنے کا اہم ذریعہ بھی ہیں۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ حق کا آغاز فرمایا، تو مشکلات اور دشواریاں پہاڑ بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ اور آپ ﷺ کے اس دعوے پر کہ آسمان سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے مخالفتوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ منکرین آپ کا مزاق اڑانے اور طنز و تشنیع کرنے لگے۔ ایک نبی کو ان حالات میں گھرا ہوا دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر نبی واقعی خدا کا منظورِ نظر ہے تو اس کی راہ میں یہ مشکلات کیسی؟ اور پھر جب وحی کچھ دنوں کے رک جاتی تو مخالفین یہ طنز کرتے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا ہے، اور آپ سے ناراض ہے۔ مخالفین کے ان شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے نبی ﷺ کو اطمینان اور تسلی دی جارہی ہے کہ جن حالات میں آپ ﷺ اپنے آپ کو گھرا ہوا پا رہے ہیں وہ کارِ نبوت کا اقتضاء اور اللہ کی اس عظیم حکمت کے تحت ہیں، جس کے مطابق اس دنیا کا پورا نظام چلایا جارہا ہے۔ اور وہ حکمت یہ ہے کہ انسان کی آزمائش ہو۔ جس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ نرم گرم ہر طرح کے حالات سے سابقہ پیش آئے۔ ایک پیغمبر جب راہ حق کی مشکلات اور مخالفتوں کے طوفان سے گذرتا ہے، تو اس سے عظیم فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً پیغمبر کے اخلاقی محاسن نکھر کر سامنے آجاتے ہیں اور اس کے کردار کی بلندی آسمان کو چھونے لگتی ہے۔ جن دلوں میں انسانیت جاگ رہی ہوتی ہے ان میں پیغمبر سے محبت وعقیدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پیغمبر کے عزم اور حوصلہ کو دیکھ کر اس کے پیروؤں میں بھی استقامت اور پامردی کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ رہی وحی الٰہی کے نزول میں تاخیر تو یہ بھی اس بنا پر نہیں ہے کہ اللہ پیغمبر سے ناراض ہو گیا ہے، بلکہ وحی کا پورا معاملہ اللہ کی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ اس کی حکمت جس وقت اور جتنی وحی کی متقاضی ہوتی ہے وہ نازل کر دیتا ہے۔

۴۔ یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس وقت سنائی، جب آپ ﷺ کو انتہائی نامساعد حالات سے گذرنا پڑ رہا تھا۔ اور سخت مشکلات آپ کی راہ میں حائل تھیں۔ ان حالات میں آپ کے لئے اخروی فیروزمندی کی بشارت نہ صرف تسلی بلکہ حوصلہ افزائی کا بھی باعث تھی۔

معلوم ہوا کہ اگر آدمی آخرت کی کامیابی پر نظر رکھے تو اس سے عزم وحوصلہ پیدا ہوتا ہے، اور راہِ حق کی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

واضح رہے کہ متن میں ''الآخرۃ'' اور ''الاولی'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو ''آخرت'' اور ''دنیا'' کے لئے قرآن کے اصطلاحی الفاظ ہیں۔ اور قرآن میں جہاں بھی یہ الفاظ مطلق طور پر آئے ہیں اسی مفہوم میں آئے ہیں۔ ماقبل سورۃ الّیل آیت ۱۳ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی (بے شک آخرت اور دنیا دونوں ہمارے ہی اختیار میں ہیں) میں بھی یہ الفاظ اسی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔

۵۔ اشارہ ہے آخرت کے ان ابدی انعامات کی طرف جن سے نبی ﷺ کو نوازا جائے گا۔ وہاں آپ عزت وسرفرازی کے جس مقام پر فائز

ہوں گے اور عطاء اور بخشش کی آپ پر، جو بارش ہوگی اس کی ایک جھلک ان آیات واحادیث میں دیکھی جاسکتی ہیں، جن میں آپ کے رب کی طرف سے آپ پر کی جانے والی عنایات کا ذکر ہوا ہے۔ ورنہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو کچھ دینے کا وعدہ فرمایا ہے اس کی وسعت وعظمت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۶۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یتیم پیدا ہوئے تھے۔ آپ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد عبداللہ کا انتقال ہوگیا، اور جب چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ آمنہ دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی۔ لیکن ابھی آپ آٹھ ہی سال کے تھے کہ دادا کا بھی انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کی اور آپ کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ کیا۔ یہاں تک کہ ان کی شفقت آپ کی بعثت کے بعد بھی برقرار رہی۔ (سیرۃ النبی لابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۱، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۳)

آپ ﷺ کی پرورش کا یہ بہترین انتظام اور وہ بھی ایک ایسے ماحول میں، جہاں یتیموں کی ناقدری کی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ کے فضل ہی کا نتیجہ تھا۔ یہاں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ یتیمی کی حالت میں گو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن باپ کے سہارے سے محروم ہونے کی وجہ سے آدمی کے اندر ایک طرح کی خود اعتمادی پیدا ہونے لگتی ہے، اور اس سے بڑھ کر خدا اعتمادی کا جذبہ پرورش پانے لگتا ہے۔ غور کیجئے یتیمی کی حالت میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ کس طرح تربیت کا سامان کرتا ہے۔

۷۔ متن میں لفظ ''ضَالاً'' استعمال ہوا ہے جو ضلالت سے ہے۔ یہ لفظ ہدایت کے مقابلہ میں متعدد معنیٰ میں بولا جاتا ہے۔ اس کے ایک معنیٰ بے خبر اور ناواقف ہونے کے بھی ہیں۔ چنانچہ عربی کی سب سے بڑی اور مستند لغت ''لسان العرب'' میں ہے۔ **وضللت المسجد و الدار اذا لم تعرف موضعهما** یعنی اگر تم مسجد اور گھر کی جگہ سے واقف نہ ہو تو کہو گے، میں مسجد اور گھر سے ضَلالت میں (ناواقف) رہا۔ (ملاحظہ ہو لسان العرب لفظ ضلل) یہاں یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

بعثت سے پہلے نبی ﷺ فطرتِ سلیمہ پر قائم تھے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کا بعثت سے پہلے یہی حال ہوتا ہے کہ وہ فطرتِ سلیمہ سے کبھی انحراف نہیں کرتے۔ اور انسان کی فطرتِ سلیمہ اپنے رب کو پہچانتی اور اسی کو معبود قرار دیتی ہے۔ نیز خیر وشر میں تمیز بھی کرتی ہے۔ اور یہ دونوں ہی وصف نبی ﷺ میں پائے جاتے تھے۔ چنانچہ بعثت سے پہلے آپ کا غار حراء میں یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں منہمک ہوجانا، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ توحید پر قائم تھے۔ اسی طرح آپ کا پاکیزہ زندگی گذارنا یہاں تک کہ آپ قوم کی نظر میں معتمد ٹھہرے اور امین کے لقب سے پکارے گئے، یہ آپ ﷺ کی اخلاقی برتری کی روشن دلیل ہے۔ مزید برآں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کے جو اجزاء اس وقت تک باقی رہ گئے تھے، مثلاً بیت اللہ کی تعظیم، حج وغیرہ ان پر آپ ﷺ عمل پیرا تھے۔ چنانچہ یہ واقعات تاریخ سے ثابت ہیں۔ (سیرۃ النبی لابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۷ اور ص ۲۲۱) گویا جس حد تک فطرت اور دین ابراہیمی کی روشنی آپ ﷺ کے سامنے موجود تھی آپ اس روشنی میں چلتے لیکن آپ پر راہِ ہدایت پوری طرح روشن نہیں تھی۔ اسلئے نہ آپ کو ایمان کی حقیقت معلوم تھی اور نہ شریعت کی تفصیلات کا علم تھا۔ چنانچہ قرآن نے اس کی صراحت کی ہے **مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ** (تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہے۔ سورۃ الشوریٰ۔ ۵۲) اسی حالت کو یہاں ضال (جو راہ سے بے خبر ہو) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ جستجوئے راہ اور تلاشِ حق کی حالت تھی۔ اسلئے اس کو ضَلالت بمعنیٰ گمراہی ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ اور بالخصوص جب کہ آپ کے بارے میں معلوم ہے کہ نہ کبھی آپ نے خدا کا انکار کیا اور نہ بت پرستی اختیار کی، نہ برائیوں سے آپ کو واسطہ رہا اور نہ فسق وفجور سے، اور نہ ہی آپ نے کسی باطل چیز کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ بخاری میں بعثت سے پہلے کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا،

جو بت کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا تھا۔ آپ ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا اور یہ دیکھ کر زید بن عمرو بن نفیل نے بھی انکار کیا۔ (بخاری کتاب المناقب باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل)

جہاں تک دین ابراہیمی کے بعض اجزاء کے برقرار رہنے کا تعلق ہے علامہ ابن حجر شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

انما کان عند اھل الجاھلیة بقایا من دین ابراھیم

''اہل جاہلیت کے پاس دین ابراہیمی کے کچھ اجزاء ہی باقی رہ گئے تھے۔'' (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۱۳)

۸۔ ہدایت سے مراد وحی الٰہی ہے جس نے صراط مستقیم پوری طرح آپ پر روشن کر دی۔

۹۔ نبی ﷺ کا بچپن یتیمی کی حالت میں گذرا اور جب آپ جوان ہوئے تو افلاس ہی کی حالت رہی۔ یہاں تک کہ قریش کی سب سے زیادہ مالدار خاتون نے آپ کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کیا۔ اور آپ کو شام کے تجارتی سفر میں خوب نفع ہوا۔ حضرت خدیجہ نے آپ کی دیانتداری، شرافت اور حسن اخلاق سے متاثر ہو کر آپ ﷺ سے نکاح کر لیا، جس کے بعد آپ کی معاشی حالت کافی اچھی ہوئی۔

(سیرۃ النبی لابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۲ تا ۲۰۶)

یہ جو کچھ ہوا عالم اسباب کے تحت ہوا لیکن حقیقۃً یہ اللہ تعالیٰ ہی کے فضل کا نتیجہ تھا کہ افلاس کی حالت غنا سے بدل گئی۔

۱۰۔ اوپر اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر فرمایا تھا اب مختصراً ان کے تقاضے بیان کئے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہاری یتیمی کی حالت میں تمہیں پناہ دی، اسی طرح تم بھی یتیموں کے حقوق کے پاسبان بن جاؤ ۔ کسی یتیم کے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ۔ اس ہدایت کے براہ راست مخاطب گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لیکن آپ کے واسطے سے یہ ہدایت قرآن کے ہر قاری کے لئے ہے۔ اور اس میں زر پرستوں کے اس رویہ کی مذمت بھی ہے، جو یتیموں اور کمزوروں کے سلسلہ میں وہ اختیار کرتے ہیں۔ یعنی ان کو حقیر جان کر ان کے ساتھ عزت کا برتاؤ نہیں کرتے، ان کو دباتے ہیں اور ان کے حقوق غصب کر جاتے ہیں۔

۱۱۔ یہ اس احسان کا تقاضا ہے جو اوپر آیت ۸ میں بیان ہوا یعنی ''نادار پایا تو غنی کر دیا'' اس احسان کا حق یہ ہے کہ محتاجوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آیا جائے۔ اور اگر کسی مانگنے والے کی مدد نہ کی جا سکتی ہو تو اچھے انداز سے معذرت کر دی جائے۔ اور ان لوگوں کا طریقہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے جو مال کے گھمنڈ میں غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور مانگنے والوں کو ڈانٹتے اور جھڑکتے ہیں۔

اس حکم کی تعمیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شدت کے ساتھ کی کہ نہ صرف یہ کہ کسی سائل کو کبھی ڈانٹا نہیں بلکہ ''نہیں'' کہہ کر اسے خالی ہاتھ واپس لوٹانا بھی پسند نہ فرماتے، چنانچہ حضرت جابر کا بیان ہے کہ:

ماسُئِلَ رسولُ اللہ ﷺ شَیْئًا قطُّ فَقَالَ لَا۔ (بخاری کتاب الادب)

''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو تو آپ نے فرمایا ہو ''نہیں''۔

اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت بھی ملتی ہے کہ:

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمَرَۃٍ فَمَنْ لَمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

''جہنم سے بچو، اگرچہ کہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے، بچنے کا سامان کر سکو اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات ہی کہو۔''

یعنی سائل کو ڈانٹنے کے بجائے اچھی بات کہہ کر معذرت کر دو۔

۱۲۔ نعمت سے مراد عام نعمتیں بھی ہیں اور خاص نعمتِ ہدایت بھی ہے۔

اوپر آیت ۷ میں ہدایت سے نوازے جانے کا جو ذکر ہوا، یہاں اسی کا حق بیان کیا جا رہا ہے۔ گو ترتیب کے لحاظ سے اس کا مقام ایک آیت پہلے تھا، لیکن بات کو مؤکد کرنے کے لئے اس کو اخیر میں بیان کر دیا گیا، تا کہ اس کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جائے اور اس پر توجہ مرکوز ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو جن عنایات سے نوازا، ان میں اس کی سب سے بڑی عنایت ہدایت ہی ہے۔ یہ ہدایت قرآن کی شکل میں آپ ﷺ کو ملی اور آپ کو منصبِ رسالت سے سرفراز کیا گیا۔ یہاں اسی نعمت کے اظہار کی تاکید کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نوازش کا، کہ اس نے تم کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی عظیم اور حکمت سے لبریز کتاب عطاء کی لوگوں میں اس کا خوب چرچا کرو۔ اس پیغام کو اُن تک پہنچاؤ اور انہیں اس راہ کی طرف، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ذریعہ تم پر کھولی ہے دعوت دو۔ یہ ہدایت اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دی گئی ہے۔ لیکن آپ کے واسطہ سے اس کے مخاطب پیروانِ اسلام بھی ہیں۔ انہیں قرآن کی جو نعمت پیغمبر کے واسطہ سے ملی ہے وہ چھپانے کے لئے نہیں ہے، بلکہ اظہار اور بیان کے لئے ہے تا کہ اس کا فیض عام ہو۔

۹۴۔ الم نشرح

نام سورہ کا آغاز '' اَلَمۡ نَشۡرَحۡ '' کے الفاظ سے ہوا ہے۔اس مناسبت سے یہ الفاظ اس سورہ کا نام قرار پائے ہیں۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں نازل ہوئی ہوگی، جب آپ کے اندر منصب نبوت کی گرانبار ذمہ داریاں سنبھالنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔جس کے نتیجہ میں مخالفتوں کے طوفان سے گزرنا آپ کے لئے آسان ہو گیا تھا۔نبوت کا چرچا بھی عام ہو گیا تھا اور آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی ایک تعداد بھی آپ کے گرد جمع ہو گئی تھی۔

مرکزی مضمون یہ سورہ سابق سورہ (الضُّحٰی) کا تکملہ ہے۔سابق سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی پریشانی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ان احسانات کا حوالہ دیا ہے،جن سے اس نے اپنے نبی کو نوازا۔اس سورہ میں شرح صدر کی عظیم نعمت سے سرفراز کئے جانے کا ذکر کرتے ہوئے، آپ کو اطمینان دلایا ہے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔اور یہی اس سورہ کا مرکزی نقطہ ہے۔یعنی ہر مشکل کے بعد آسانی کی راہ کھلتی ہے۔گویا مشکلات کے ساتھ آسانیاں لگی ہوئی ہیں۔اس لئے ایک داعی کو راہِ حق کی مشکلات دیکھ کر پست ہمت نہیں ہونا چاہئے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۳ میں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شرح صدر کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔اور وہ بوجھ اتار دیا جو آپ کی کمر توڑے دے رہا تھا۔

آیت ۴ میں آپ کو یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ آپ کا آوازہ بلند کر دیا گیا ہے۔

آیت ۵ اور ۶ میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ راہ حق کی ہر مشکل آسانی کا پیش خیمہ ہے۔

آیت ۷ اور ۸ میں نہایت اہم ہدایت دی گئی ہے کہ جب اپنے مشاغل سے تم فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی عبادت میں سرگرم ہو جاؤ۔اور اسی سے لَو لگاؤ کہ تمام غایتوں کی غایت یہی ہے۔

سُوۡرَةُ الشَّرۡحِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ‏ ﴿۱﴾

وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ۙ‏ ﴿۲﴾

الَّذِىۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۙ‏ ﴿۳﴾

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ؕ‏ ﴿۴﴾

فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا ۙ‏ ﴿۵﴾

اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا ؕ‏ ﴿۶﴾

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ‏ ﴿۷﴾

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارۡغَبۡ ‏ ﴿۸﴾

۹۴۔ سُوۡرَةُ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ

آیات : ۸

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ (اے پیغمبر !) کیا ہم نے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا ؟ ۱؎

۲ اور تم پر سے وہ بوجھ اُتار نہیں دیا؟

۳ جو تمہاری کمر توڑے دے رہا تھا، ۲؎

۴ اور تمہارا ذکر بلند نہیں کیا؟ ۳؎

۵ تو (دیکھو) مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے،

۶ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ ۴؎

۷ پس جب تم فارغ ہو تو عبادت میں سرگرم ہو جاؤ، ۵؎

۸ اور اپنے رب ہی سے لَو لگاؤ۔ ۶؎

۱۔ شرحِ صدر (سینہ کھول دینے) سے مراد اطمینانِ قلب اور عزم و حوصلہ کی وہ کیفیت ہے، جو ایمان اور بصیرت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیفیت قوت وطاقت کا سرچشمہ ہے، جس کے حاصل ہوجانے کے بعد راہِ حق کی مشکلات کو برداشت کرنا، مخالفتوں کا سامنا کرنا اور مزاحم قوتوں سے ٹکر لینا آسان ہو جاتا ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ہے: فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ ۔ ''جس شخص کو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔'' (الانعام ۔ ۱۲۵)

پس سینہ کا کھل جانا سراسر اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ یہاں نبی ﷺ کو شرحِ صدر کی نعمت سے سرفراز کئے جانے کا جو ذکر ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اُلجھنوں کو دور کر دیا۔ اور آپ ﷺ کو وہ آہنی عزم، وہ وسعتِ حوصلہ اور وہ نورِ بصیرت عطا فرمایا جو نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے کیلئے درکار تھا۔

۲۔ سورۃ الضحیٰ کی آخری آیت میں نعمتِ رسالت کے اظہار و اعلان کی جو ہدایت نبی ﷺ کو دی گئی ہے، وہ ایک گرانبار اور کمر توڑ ذمہ داری تھی۔ کیوں کہ ایک ایسے ماحول میں جہاں لوگ جاہلیت کی زندگی گذار رہے تھے، اور بت پرستی اور شرک جن کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، توحید و آخرت کی دعوت پیش کرنا اور خاص طور سے یہ کہنا کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے کوئی آسان کام نہ تھا۔ بلکہ سخت جاں گسُل کام تھا۔ چنانچہ جوں ہی نبی ﷺ نے دعوت کا آغاز فرمایا ہر طرف سے مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اور آپ کی رسالت کا لوگوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ وہ خوب مذاق اڑانے لگے۔ دعوت و تبلیغ، اظہارِ حق اور فرائضِ رسالت کی ادائیگی کی یہی وہ کمر توڑ ذمہ داری تھی جس کو ادا کرنے کی فکر میں آپ ﷺ، اس طرح ڈوبے رہتے کہ گویا کوہِ غم آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑا ہے۔ بعد کے مرحلہ میں یہ کیفیت نہیں رہی۔ کیوں کہ شرحِ صدر نے زبردست تقویت کا سامان کیا۔ حوصلہ کی بلندی نے مشکل کام کو بھی آسان کر دیا۔ نیز مخلص ساتھیوں کے فراہم ہوجانے سے دل کو اطمینان اور سکون نصیب ہوا۔ اسی اطمینان اور سکون کی کیفیت کو جو بعد کے مرحلہ میں پیدا ہوئی بوجھ اتار دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور حقیقت حال کا علم اللہ ہی کو ہے۔

۳۔ یہ سب سے بڑا اعزاز ہے جو نبی ﷺ کو دنیا میں عطا کیا گیا۔ رفعِ ذکر کا مطلب محض شہرت نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی معنویت ہے اور بشارتوں کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ اس کے چند پہلو یہ ہیں کہ آپ کا ذکر مبارک بلند سطح سے ہوگا، آپ کی رسالت کا چرچا عام ہوگا۔ آپ کا نام نہایت ادب واحترام کے ساتھ لیا جائے گا، آپ کی رسالت کی گواہی دیئے بغیر کوئی بھی شخص اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اذان میں آپ کے نام کی صدا برابر گونجتی رہے گی، کوئی نماز آپ کے ذکرِ خیر سے خالی نہیں ہوگی۔ آپ دنیائے انسانیت کے نجات دہندہ کہلائیں گے، کوئی آپ کو یتیموں کا والی کہے گا، تو کوئی غلاموں کا مولیٰ۔ کہیں آپ کا تذکرہ معلم اخلاق اور مزکّیٔ نفوس کی حیثیت سے ہوگا، تو کہیں تاریخ ساز انقلابی شخصیت کی حیثیت سے۔ کہیں آپ سرورِ دو عالم کے لقب سے پکارے جائیں گے تو کہیں رحمۃ للعالمین کے لقب سے۔ قومیں آپ کو ہادیٔ اعظم کے نام سے یاد کریں گی تو علماء اور فضلاء نورِ مجسم کے نام سے۔ آپ کی سیرت دلوں پر نقش ہوگی اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے ذکر سے محفلیں مہک اٹھیں گی، آپ کی شان میں نعت پڑھنا لوگوں کیلئے باعثِ فخر ہوگا اور بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ جیسے کلمات زبان زدِ عام ہوں گے۔ اہلِ ایمان کو آپ سے گہری عقیدت ہوگی اور شب و روز آپ کی خدمت میں ہدیۂ درود و سلام پیش کرتے رہیں گے۔ ﷺ۔ اس آیت کے نزول کے وقت تو رفعِ ذکر کی ایک جھلک ہی دیکھی جاسکتی تھی۔ لیکن بعد میں جب آفتاب عالمتاب کی طرح اس کی صداقت روشن ہوگئی، تو کسی کو انکار کی مجال نہ رہی اِلّا یہ کہ کسی نے اپنی آنکھیں ہی بند کر لی ہوں۔

موقع کلام کے لحاظ سے نبی ﷺ کو یہ اطمینان دلانا مقصود ہے۔ کہ اے نبی! تمہارے مخالفین تمہیں کتنا ہی جھٹلائیں اور تمہارا کیسا ہی مذاق اڑائیں، اللہ تعالیٰ نے تو تمہاری شان بلند کی ہے، اور اپنے نیک بندوں میں تمہارے لئے کمال درجہ کی مقبولیت رکھ دی ہے۔ چنانچہ تمہارے ذکر سے فضا گونج

رہی ہے۔ لہٰذا تم مخالفتوں کی کوئی پرواہ نہ کرو۔ اور اطمینان رکھو کہ وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔

۴۔ یہ وہ اہم حقیقت ہے جس کو اصلاً ذہن نشین کرانا مقصود ہے۔ اس سورہ میں نیز سابق سورہ (الضحیٰ) میں نبی ﷺ کی زندگی سے متعلق جن واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی، تکلیف کے بعد راحت اور مشکلات کے بعد آسانی کی راہ کھولتا ہے۔ اس حقیقت کو پیش کر کے نبی ﷺ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ مشکلات آئندہ بھی پیش آسکتی ہیں۔ لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ کیونکہ ہر مشکل آسانی کا پیش خیمہ ہے۔ اور ہر دشواری سہولت کی ضمانت۔ ابتلاء کے ان مرحلوں سے گذر کر ہی آپ اس منزل کو پہنچ سکیں گے۔ جہاں آسانیاں ہی آسانیاں ہوں گی۔

اس سے یہ اصولی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آدمی راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات سے پریشان اور دل گرفتہ نہ ہو۔ بلکہ اطمینان رکھے کہ مشکلات کے بعد آسانیوں کا دور بھی آئے گا۔ اور آسانیوں کا دور اتنا قریب ہے کہ گویا ساتھ ہی چلا آرہا ہے۔

''مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے'' یہ بات دو مرتبہ دہرائی گئی ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ راہ حق میں مشکلات بار بار پیش آسکتی ہیں۔ لیکن ہر مشکل کے بعد، بشرطیکہ آدمی ہمت نہ ہارے آسانی کی راہ لازماً کھلے گی۔ ایسے ہی حالات سے گذر کر اہل ایمان اپنی منزل مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ یعنی اس مقام کو جہاں مشکلات کا گذر ہی نہیں اور جس کا اصطلاحی نام جنت ہے۔

۵۔ فارغ ہونے کے مفہوم میں ہر طرح کے مشاغل سے فارغ ہونا شامل ہے۔ لیکن یہاں خاص طور سے اشارہ دعوتی سرگرمیوں سے فارغ ہونے کی طرف ہے۔ کیوں کہ ماقبل سورہ کی آخری آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ میں دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔ اور یہاں اس سیاق میں فرمایا گیا ہے کہ ''جب تم فارغ ہو تو عبادت میں سرگرم ہو جاؤ۔'' مطلب یہ کہ جب کوئی اور مشغولیت نہ رہے تو عبادت الٰہی میں منہمک ہو جاؤ کہ سب سے بڑی مشغولیت عبادتِ الٰہی ہی ہے۔ چنانچہ اس ہدایت کی تعمیل میں نبی ﷺ کا عبادت میں انہماک اس قدر بڑھ گیا تھا کہ طویل قیام لیل کی وجہ سے آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت : کان النبی ﷺ یقوم من اللیل حتی تتفطر قدماہ ، فقلت لہ : لم تصنع ھذا یا رسول اللہ و قد غفر لک ماتقدم من ذنبک و ماتاخر؟ قال: افلا اکون عبداً شکوراً۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات میں اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ کے قدم متورم ہو جاتے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اتنا طویل قیام کیوں فرماتے ہیں جب کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ فرمایا کیا میں شکر گذار بندہ نہ بن جاؤں۔''

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں عبادت کا مقام کیا ہے۔ گو شریعت کے سب احکام اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن جو چیز تمام احکام پر فوقیت رکھتی ہے وہ عبادت ہی ہے۔ یعنی نماز، ذکر، دعا جیسی چیزیں کہ یہ عبادت مقررہ وقت پر بھی مطلوب ہے اور اس وقت بھی، جب دوسری مصروفیتوں سے آدمی فارغ ہو۔ بالفاظ دیگر اہل ایمان کو سب سے زیادہ جس کام سے دلچسپی ہونی چاہئے، اور جو کام مسلسل انجام دیتے رہنا چاہئے وہ عبادتِ الٰہی ہی ہے۔ اگر غذا اور پانی انسان کے زندہ رہنے کیلئے ضروری ہے تو اس سے کہیں زیادہ ضروری سانس لینے کا عمل ہے۔ اگر ایک منٹ کیلئے آدمی سانس نہ لے تو وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اسی طرح شرعی احکام خواہ وہ احکام دعوت وتبلیغ سے متعلق ہوں یا تعلیم وتربیت سے متعلق، انفرادی زندگی سے متعلق ہوں یا اجتماعی زندگی سے متعلق۔ اگر اسلامی زندگی گذارنے کیلئے ان کی پابندی ضروری ہے، تو اللہ کی عبادت و پرستش اس سے کہیں زیادہ ضروری۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے احکام کی تعمیل کے سلسلہ میں حالات کی مناسبت سے ذمہ داریوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن نماز مؤمن کی زندگی

کا جزو لاینفک ہے۔اور اس کا جتنا اہتمام وہ کرتا ہے اتنا ہی اس کا تعلق اللہ سے مضبوط ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ نماز اس کے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے۔

٦۔ یعنی اپنے رب ہی کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اس کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو، اس کی تسبیح وحمد کرو، اس کے کلام کی تلاوت کرو، اس سے استغفار کرو اور عاجزی کے ساتھ اس سے دعائیں مانگو۔

یہ ہدایت گو نبی ﷺ کو خطاب کر کے دی گئی ہے مگر یہ سب کیلئے عام ہے۔اور اس سے جو اہم ترین حقیقت واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام غایتوں کی غایت اللہ سے لَو لگانا یا بالفاظ دیگر تعلق باللہ ہے۔

✲✺✶✲✺✶✲✺✶

سورۃ التین

۹۵۔ التین

نام پہلی آیت میں تین (انجیر) کی قسم کھائی گئی ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "**التین**" ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور اس کے مکی ہونے پر آیت ۳ دلالت کرتی ہے۔جس میں ''اس امن والے شہر'' کی قسم کھائی گئی ہے، جس سے مراد ظاہر ہے شہر مکہ ہی ہے۔مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دعوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون جزائے عمل ہے، جس کی معقولیت نہایت دلنشین انداز میں واضح کی گئی ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۳ میں ان مقامات کو شہادت میں پیش کیا گیا ہے، جو جلیل القدر پیغمبروں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔اور جہاں سے ہدایت کی روشنی پھیلی۔

آیت ۴ تا ۶ میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے، تاکہ وہ اپنے کو اس مقامِ بلند کا اہل ثابت کرے، جہاں اس کا رب اسے پہنچانا چاہتا ہے۔مگر اس نے پستی کی راہ اختیار کی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے انتہائی پستی کے گڑھے میں پھینک دیا۔البتہ جن لوگوں نے اپنے کو مقامِ بلند کا اہل ثابت کردیا، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دائمی اجر کا وعدہ ہے۔

آیت ۷ اور ۸ میں اس بات پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ جب، انسانوں میں یہ دو الگ الگ اور متضاد طرزِ عمل پائے جاتے ہیں، تو دونوں کا انجام یکساں کیسے ہوگا؟ یا یہ بات کس طرح صحیح ہوسکتی ہے کہ سرے سے کوئی انجام ہوگا ہی نہیں۔اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک عدل وانصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔حالانکہ یہ بات سراسر غیر معقول ہے۔کیوں کہ عقل اور فطرت دونوں کی گواہی یہ ہے کہ اللہ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے، پھر جو سب سے بڑا حاکم ہو وہ انصاف کیسے نہیں کرے گا ؟

سُوْرَةُ التِّيْنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ﴿۱﴾

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ﴿۲﴾

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ﴿۳﴾

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۡ﴿۴﴾

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ﴿۵﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۭ﴿۶﴾

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۭ﴿۷﴾

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۧ﴿۸﴾

۹۵۔ سُوْرَةُ التِّيْنِ

آیات:۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ قسم ہے ۱؎ انجیر اور زیتون کی، ۲؎

۲ اور طورِ سینین کی، ۳؎

۳ اور اُس امن والے شہر کی، ۴؎

۴ بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ ۵؎

۵ پھر اُسے پست ترین حالت کی طرف پھیر دیا، ۶؎

۶ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے ایسا اجر ہے، جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ ۷؎

۷ تو (اے پیغمبر!) اس کے بعد کون ہے جو تمہیں جزا و سزا کے معاملہ میں جھٹلاتا ہے؟ ۸؎

۸ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں؟ ۹؎

۱ ۔ قسم کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ تکویر نوٹ ۱۴ ۔

۲ ۔ یہاں انجیر اور زیتون کا ذکر کنایۃً اس علاقہ کیلئے ہوا ہے، جہاں یہ دونوں چیزیں بکثرت پیدا ہوتی ہیں ۔یعنی بیت المقدس کی سرزمین ۔اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے بعد طور سینا اور امن والے شہر کی قسم کھائی گئی ہے ۔اس مناسبت سے انجیر و زیتون سے مراد ان کی پیداوار کا علاقہ ہی ہوسکتا ہے ۔

سرزمین فلسطین انجیر اور زیتون کی پیداوار کے لئے قدیم زمانہ سے مشہور رہی ہے ۔چنانچہ عہد نامۂ عتیق میں ہے :

''کیوں کہ خداوند امیرا خدا تجھ کو ایک اچھے ملک میں لئے جاتا ہے ۔۔۔۔وہ ایسا ملک ہے جہاں گیہوں اور جَو اور انگور اور انجیر کے درخت اور انار ہوتے ہیں ۔وہ ایسا ملک ہے جہاں روغن دار زیتون اور شہد بھی ہے ۔'' (استثناء ۸: ۷،۸)

اور عہد نامۂ جدید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انجیر کے درخت کے پاس سے گزرنے ،اور اس کی تمثیل بیان کرنے کا ذکر متعدد مقامات پر ہوا ہے ۔مثلاً مرقس کی انجیل باب ۱۱: ۱۲، ۱۳، ۱۴، میں اور لوقا کی انجیل باب ۲۱: ۲۹ تا ۳۳ میں، اور کوہِ زیتون کا ذکر تو موجودہ انجیلوں میں اس کثرت سے ہوا ہے کہ اس کے ایک معلوم اور معروف مقام ہونے میں کسی شبہہ کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی ۔یہ مشہور پہاڑ یروشلم کے مشرقی جانب ہے ۔

Mount Of Olives ------ A hill which is before Jerusalem on the east (A Dictionary of the Bible p.554)

اس پہاڑ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے جاتے اور اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتے ۔اس سلسلہ میں آپ نے نہایت مؤثر خطبے ارشاد فرمائے ہیں جو موجودہ انجیل میں منقول ہیں ۔اور جو کوہِ زیتون کی چوٹی پر دئے گئے تھے ۔

پس انجیر کے علاقہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو دعوت پیش کی ۔اور کوہِ زیتون پر آپ نے جو درس دیا اس میں آخرت کی جزا و سزا کا واضح تصور پیش کیا گیا تھا ۔مثال کے طور پر چند اقتسابات ملاحظہ ہوں :

''پھر اس نے اپنے شاگردوں کی طرف نظر کر کے کہا، مبارک ہو تم جو غریب ہو کیوں کہ خدا کی بادشاہی تمہاری ہے ۔مبارک ہو تم جواب بھوکے ہو کیونکہ آسودہ ہوگے ۔مبارک ہو تم جواب روتے ہو کیوں کہ ہنسو گے ۔۔۔۔۔اس لئے کہ دیکھو آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے ۔۔۔۔۔مگر افسوس تم پر جو دولتمند ہو کیوں کہ تم اپنی تسلی پاچکے ۔افسوس تم پر جواب سیر ہو کیوں کہ بھوکے ہوگے ۔افسوس تم پر جو اب ہنستے ہو کیونکہ ماتم کروگے اور روؤ گے ۔۔۔۔ کیونکہ جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے لئے ناپا جائے گا ۔۔۔۔۔ کیونکہ کوئی اچھا درخت نہیں جو بُرا پھل لائے ۔اور نہ کوئی بُرا درخت ہے جو اچھا پھل لائے ۔ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے کیوں کہ جھاڑیوں سے انجیر نہیں توڑتے ''۔ (لوقا ۶: ۲۰ تا ۴۴)

''جب وہ زیتون کے پہاڑ پر ہیکل کے سامنے بیٹھا تھا تو پطرس اور یعقوب اور یوحنا اور اندریاس نے تنہائی میں اس سے پوچھا، ہمیں بتا کہ یہ باتیں کب ہوں گی ؟۔۔۔۔مگر ان دنوں میں اس مصیبت کے بعد سورج تاریک ہوجائے گا ۔اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور آسمان سے ستارے گرنے لگیں گے اور جو قوتیں آسمان میں ہیں وہ ہلائی جائیں گی ۔۔۔

اب انجیر کے درخت سے تمثیل سیکھو ۔جونہی اس کی ڈالی نرم ہوتی ہے اور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے ۔اسی طرح جب تم ان باتوں کو ہوتے دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ پر ہے ۔میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہولیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی ۔آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں نہ ٹلیں گی ۔لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا ۔'' (مرقس ۱۳: ۳ تا ۳۲)

''یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے مگر راستباز ہمیشہ کی زندگی'' (متی ۲۵: ۴۶)

بائبل کے ان اقتسابات میں زیتون اور انجیر دونوں کا نہ صرف ذکر موجود ہے۔ بلکہ ساتھ ہی قیامت اور جزاوسزا کا بیان بھی۔ قرآن کا اشارہ تین اور زیتون کی قسم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اسی درس اور اسی تعلیم کی طرف ہے۔ اور یہ الفاظ کنایہ کے طور پر اس لئے استعمال کئے گئے ہیں تا کہ وہ ماحول مصوّر ہو کر سامنے آجائے جس میں جزاوسزا کا واضح تصور پیش کیا گیا تھا اور جہاں انجیل نازل ہوئی تھی ۔ یہ بلاغت کا ایک اسلوب ہے تا کہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

۳۔ اس کا دوسرا نام طورِ سینا ہے۔ کوہ طور جہاں موسیٰ علیہ السلام کو شریعت عطا ہوئی تھی، جزیزہ نمائے سینا میں واقع ہے۔ بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد کوہِ سینا کے دامن میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ طورِ سینین سے اشارہ تورات کی طرف ہے جس میں صراحت کے ساتھ یہ بات پیش کی گئی تھی کہ قیامت کے دن جزاوسزا کا معاملہ لازماً پیش آئے گا۔

۴۔ مراد شہر مکہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں امن والا شہر قرار پایا۔ اور اس کی یہ حیثیت ہمیشہ برقرار رہی۔ یہاں تک کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی یہاں لڑائی ممنوع تھی ۔ اس کی یہ صفت کہ وہ امن والا ہے، اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ انسان کی عظمت کا راز خدا کی ٹھہرائی ہوئی حرمتوں کی پاسداری میں ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی انسان کے لئے باعث ذلت ہے۔

بلدِ امین (امن والا شہر) اس بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ یہاں سے ہدایت کی روشنی پھیلی ہے۔ اور اس ہدایت کا ایک اہم جز آخرت کی جزاوسزا پر ایمان لانا تھا۔ اور جو صحیفہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا اس میں جزاوسزا کا یہ تصور شامل ہے۔ (ملاحظہ ہو سورہ اعلیٰ نوٹ ۱۹)

۵۔ بہترین ساخت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس مقصد کیلئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے، اس کے لحاظ سے اسے نہایت موزوں ساخت عطاء کی گئی ہے۔ جسم بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا دیا گیا ہے، اور اس میں قوتیں اور صلاحیتیں بھی اعلیٰ قسم کی رکھ دی گئی ہیں۔ پھر عقل وفہم اور علم وحکمت کی قابلیتوں نے تو گویا اسکے سر پر اشرف المخلوقات کا تاج رکھ دیا ہے۔ وہ نہ پیدائشی گنہگار ہے، اور نہ اس کی فطرت شر پسند ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسے فطرتِ مستقیمہ پر پیدا کیا گیا ہے اور خیر وشر کا امتیاز اس کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ بھلائی اور برائی کے رجحانات اس کے اندر ضرور پائے جاتے ہیں، لیکن جہاں تک اس کی اصل فطرت کا تعلق ہے وہ خیر پسند ہی ہے۔

انسان کو یہ بہترین ساخت جو عطا ہوئی ہے، وہ خدائے واحد کی خلاقی اور اس کے فضل کا نتیجہ ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ انسان ان صلاحیتوں سے کام لے کر وہ ذمہ داریاں پوری کرے جو خدا نے اس کے سپرد کی ہیں۔ اور وہ اوصاف اپنے اندر پیدا کرے جو انسانیت کا کمال ہیں۔ تا کہ وہ آنے والی زندگی میں اپنے رب کے ابدی انعامات کا مستحق قرار پائے۔ واضح ہوا کہ آخرت کی جزاوسزا انسان کے بہترین ساخت پر پیدا کئے جانے کا لازمی تقاضا ہے۔ لہٰذا قرآن کا یہ دعویٰ کہ جزاوسزا واقع ہو کر رہے گی اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ اور اس کی یہ دعوت کہ اس تصور کی بنیاد پر اپنی زندگیاں سنوارو، کوئی انوکھی دعوت نہیں ہے جو پہلی مرتبہ پیش ہوئی ہو، بلکہ اس سے پہلے بھی یہی دعوت انبیاء علیہم السلام پیش کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان جلیل القدر پیغمبروں نے جن کی طرف بڑی بڑی ملتیں منسوب ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پیروؤں کو اسی کی تعلیم دی تھی۔ انجیر وزیتون کی سرزمین (بیت المقدس) گواہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عدالت خداوندی کے تصور کو اجاگر کر کے پیش کیا تھا۔ اور کوہ زیتون پر اپنے شاگردوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ تمہاری سعی اور جہد کا مقصد حصول آخرت ہونا چاہئے۔ جزاوسزا کی حقیقت انجیل میں بڑے مؤثر انداز سے بیان ہوئی ہے۔

اسی طرح طور سینا گواہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب ''تورات'' نازل کی گئی تھی، اس میں بھی اس حقیقت کو کھول کر بیان کیا گیا تھا۔ اور آپ نے بنی اسرائیل کو جو درس کوہ طور کے دامن میں دیا تھا، اور ان سے شریعت کی پابندی کا جو عہد لیا تھا اس میں آخرت کی جزا و سزا کا یہ بنیادی تصور پوری طرح شامل تھا۔ اور شہر مکہ کی تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جزا و سزا کے تصور ہی کی بنیاد پر ایک نئے شہر اور ایک نئے سماج کی داغ بیل ڈالی تھی۔ صحیفۂ ابراہیمی میں ایمان بالآخرۃ کی دعوت واضح طور سے موجود تھی۔ اور انہوں نے جو صدا بلند کی وہ فلاحِ آخرت کی طرف دوڑنے ہی کی صدا تھی ان تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ:

اولاً جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام نے توحید کی دعوت دی تھی، اسی طرح جزا و سزا پر یقین رکھنے کی بھی دعوت دی تھی۔ حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم نے تعلیم و ارشاد کے جو مراکز قائم کئے تھے وہ اپنے اندر اس تعلیم کی تاریخی شہادت رکھتے ہیں۔

ثانیاً جزائے عمل کا انکار، انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور ان کی دعوت کا انکار ہے۔

ثالثاً ہر وہ تصور جو آخرت کی جزا و سزا کے خلاف ہو، خواہ وہ دنیا کو مقصود بنانے کا تصور ہو، یا مرنے کے بعد انسان کے کسی اور مخلوق میں تبدیل ہوجانے (تناسخ) کا تصور، مثلاً جانور یا درخت بن جانے کا تصور یا پھر یہ خیال کہ مرنے کے بعد زندگی ہمیشہ کیلئے ختم ہوجاتی ہے، یا یہ وہم کہ (نعوذ باللہ) انسان مرنے کے بعد خدا میں ضم ہوجاتا ہے، وہ گمراہی ہے جو انسان کے سارے شرف کو خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ اور اس کی زندگی کو ناکام بنا کر اسے تباہی کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔

رابعاً جزا و سزا کا تصور انسان کو ذمہ دار اور باکردار بناتا ہے۔ نیز اس کی صلاحیتوں کو پروان چڑھا کر اسے حقیقی ترقی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

خامساً یہ تاریخی مقامات جہاں جلیل القدر پیغمبر مبعوث ہوئے، اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ پاکیزہ نفوس اخلاق و کردار کے اعلیٰ معیار پر تھے۔ اور ان کی عظمت نے آسمان کو چھو لیا تھا۔ نیز جن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کر کے جزائے عمل کی بنیاد پر اپنے کردار کی تعمیر کی تھی وہ بام عروج کو پہنچ گئے۔ یہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بہترین صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ اور وہ توحید و آخرت کی بنیاد پر زندگی بسر کر کے ان صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ اور اپنے کو اتنا اونچا اٹھا سکتا ہے کہ ثریا بھی اس کی رفعت پر رشک کرنے لگے۔ ؎

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

آیت ۱ تا ۳ میں جو قسمیں کھائی گئیں ہیں اور آیت ۴ میں جو بات ارشاد ہوئی ہے، ان کے اشارات اور مضمرات، ان تمام حقائق کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں جن کو مختصراً ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

۶؎ پست ترین حالت سے مراد گراوٹ اور تنزل کی انتہائی حالت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان نے اپنی ساخت کی قدر نہیں کی۔ اور ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال نہیں کیا جو اس کے اندر ودیعت کی گئی تھیں۔ اور اوپر اٹھنے کے بجائے اس نے گرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے گراوٹ کے آخری درجہ کو پہنچا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قعرِ جہنم میں جا گرا۔

معلوم ہوا کہ انسان جب اس مقصد کو اپنا نصب العین نہیں بناتا، جس کے لئے اسے اعلیٰ صلاحیتیں عطاء کی گئی ہیں، تو پھر وہ انسانیت کا جوہر کھو دیتا ہے۔ اور حیوان سے بھی بدتر ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ انسانی گراوٹ کی بدترین مثالوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ اور آج بھی ذلیل حرکتوں اور کمینہ پن کے ایسے ایسے واقعات مشاہدے میں آتے رہتے ہیں کہ انسانیت ماتم کرنے لگتی ہے۔ عبادت کے مقدس جذبہ کی یہ توہین کہ انسان اینٹ پتھر کو معبود بنالے، یہاں تک کہ آلۂ تناسل کو پوجنے لگے؟ انسانی خون کی یہ ارزانی کہ جانور کی قدر و قیمت انسانی جانوں سے بھی زیادہ قرار پائے،

صنف نازک پر یہ ظلم کہ مردان کو اپنی ہوس کا نشانہ بنالیں، کمزوروں کے حقوق کی یہ پامالی کہ یتیموں کا مال ہڑپ کرجائے، خودغرضی کی یہ انتہا کہ غریبوں کا خون چوسنے لگے۔ انسانوں کی اس درجہ بے وقعتی کہ ان کو اذیت دینے کے دردناک طریقے اختیار کرے اور انسانی سماج کی یہ بے حرمتی اور اس کے ساتھ ایسی دشمنی کہ سائنس اور ٹکنولوجی کو اس کی تباہی کے لئے استعمال کرے، یہاں تک کہ ایک بم کے دھماکہ میں لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتر جائیں۔ یہ اور اس طرح کی دوسری خرابیاں انسانی گراوٹ کا ناقابل انکار ثبوت ہیں۔

۷۔ یعنی جن لوگوں نے اپنی بہترین ساخت پر پیدا ہونے کی قدر کی اور اپنے آپ کو ایمان و عمل صالح سے سنوار اوہ پستی میں گرنے سے بچ گئے۔ انہوں نے اپنی صلاحتیوں کا استعمال صحیح مقصد کے لئے کیا اور آخرت کی منزل کو سامنے رکھتے ہوئے بلندیوں پر چڑھنے کا حوصلہ کیا۔ اس لئے وہ آخرت میں دائمی اجر کے مستحق ہوں گے اور ابدی انعام سے نوازے جائیں گے۔

۸۔ یعنی ان واضح اور محکم دلائل کے سامنے آجانے کے بعد قیامت اور جزائے عمل کے بارے میں پیغمبر کو جھٹلانے میں کیا معقولیت ہے؟ پس جو لوگ اس کے باوجود پیغمبر کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں وہ اپنے ہی نامعقول ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔

۹۔ یعنی خدا کا سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ کیوں کہ آسمان اور زمین اور انسان اور فرشتے اور جن سب پر اس کی حکومت قائم ہے۔ پھر کیا تم اس سے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ اچھے اور بُرے انسانوں میں امتیاز نہ کرے گا؟ اس کے نزدیک انصاف کوئی چیز نہیں اور وہ کبھی عدالت برپا نہیں کرے گا؟ وہ نہ مجرموں کو سزا دے گا اور نہ نیکوکاروں کو انعام؟ جب تم دنیا کے حاکموں سے بھی انصاف کی توقع رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو احکم الحاکمین ہے یہ خیال کرنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے کہ وہ کبھی انصاف کرنے والا نہیں ہے اور نہ جزا و سزا کی کوئی حقیقت ہے؟

۹۶ ۔ العلق

نام آیت ۲ میں انسان کے عَلَقْ (خون کی پُھٹکی) سے پیدا کئے جانے کا ذکر ہوا ہے ۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ’’ اَلْعَلَقْ ‘‘ ہے اورا س کا دوسرا نام اِقْرَأْ (پڑھ) بھی ہے ۔ اس مناسبت سے کہ سورہ کا آغاز اسی لفظ سے ہوا ہے ۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور پہلی وحی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، وہ اس سورہ کی ابتدائی پانچ آیتیں تھیں ۔ بقیہ آیتیں بعد میں اس وقت نازل ہوئیں جب ابوجہل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے روکنے کی کوشش کی ۔ اور آپ کی کھلی مخالفت پر اتر آیا ۔

مرکزی مضمون یہ ہے کہ یہ کتاب خالق کائنات کا فرمان ہے، جو انسان کی رہنمائی کے لئے پیغمبر پر نازل ہوا ہے، تا کہ وہ اس کی روشنی میں اپنے رب کی بندگی کرے اور اس کا قرب حاصل کرے ۔ لیکن انسان کا حال عجیب ہے بجائے اس کے کہ وہ اس سعادت کو حاصل کرتا ، اپنے رب سے سرکشی کرنے لگتا ہے ۔ اور پیغمبر کی مخالفت پر اُتر آتا ہے ۔ اس طرح اپنی عاقبت خراب کرتا ہے ۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۵ میں قرآن پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے ۔ اور اسی ضمن میں انسان کے خالق کی کرشمہ سازی کا ذکر کرتے ہوئے جو اس کی تخلیق میں نمایاں ہے، علم حقیقی کی دولت سے نوازے جانے کی خوشخبری سنائی گئی ہے ۔

آیت ۶ تا ۸ میں انسان کو اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ان نعمتوں کی قدر کرنے کے بجائے الٹا اپنے رب سے سرکشی کرتا ہے ۔ درآنحالیکہ پہنچنا اسے اپنے رب ہی کے پاس ہے ۔

آیت ۹ تا ۱۴ میں ان لوگوں کو سرزنش کی گئی ہے، جو پیغمبر کی مخالفت پر تُل گئے تھے ۔ اور آپ کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے ۔

آیت ۱۵ تا ۱۸ میں سرکشوں کو انجام بد سے آگاہ کیا گیا ہے ۔

آیت ۱۹ میں پیغمبر کو اور اس کے واسطے سے اہل ایمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان سرکشوں کی بات نہ مانو، اور اللہ کی بندگی میں لگے رہو ۔

سُوْرَةُ الْعَلَقِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ‌ۚ ۝١
خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ‌ۚ ۝٢
اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُۙ ۝٣
الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِۙ ۝٤
عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡؕ ۝٥
كَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰٓىۙ ۝٦
اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰىؕ ۝٧
اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰىؕ ۝٨
اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يَنۡهٰىۙ ۝٩
عَبۡدًا اِذَا صَلّٰىؕ ۝١٠
اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓىۙ ۝١١
اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰىؕ ۝١٢
اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰىؕ ۝١٣
اَلَمۡ يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰىؕ ۝١٤
كَلَّا لَـئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ ۙ لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ ۝١٥
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ‌ ۚ ۝١٦
فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ ۙ ۝١٧
سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ ۝١٨
كَلَّا ؕ لَا تُطِعۡهُ وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبْ ۩ ۝١٩

۹۶۔ سُوْرَةُ الْعَلَقِ

آیات:۱۹

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ پڑھو ۱؎ ، اپنے رب کے نام سے ۲؎ ، جس نے پیدا کیا۔ ۳؎

۲ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ ۴؎

۳ پڑھو ۵؎ ، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، ۶؎

۴ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، ۷؎

۵ انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ۸؎

۶ مگر انسان کا حال یہ ہے کہ وہ سرکشی کرتا ہے، ۹؎

۷ اس بنا پر کہ وہ اپنے کو بے نیاز خیال کرتا ہے۔ ۱۰؎

۸ یہ بات یقینی ہے کہ تمہارے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ۱۱؎

۹ تم نے اس شخص کو دیکھا جو روکتا ہے،

۱۰ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ ۱۲؎

۱۱ تم نے سوچا اگر وہ ہدایت پر ہو،

۱۲ یا پرہیزگاری کا حکم دیتا ہو۔

۱۳ تم نے سوچا اگر یہ (روکنے والا شخص) جھٹلاتا اور منھ موڑتا ہو! ۱۳؎

۱۴ کیا اسے نہیں معلوم کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ۱۴؎

۱۵ خبردار! اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، ۱۵؎

۱۶ جھوٹی اور خطا کار پیشانی! ۱۶؎

۱۷ پس وہ بلالے اپنی ٹولی کو، ۱۷؎

۱۸ ہم بھی بلاتے ہیں عذاب کے فرشتوں کو، ۱۸؎

۱۹ خبردار! اس کی بات نہ مانو ۱۹؎ ، اور سجدہ کرو ۲۰؎ ، اور قرب حاصل کرو۔ ۲۱؎

۱؎ یہ ابتدائی پانچ آیتیں پہلی وحی کی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، عبادتِ خداوندی کی غرض سے معتکف تھے۔ یہ ماہ رمضان کی کوئی شب تھی اور اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ سن عیسوی کے اعتبار سے یہ 610 - A.D. کا واقعہ ہے۔ بخاری میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غار حراء میں یکایک فرشتہ آپ کے سامنے نمودار ہوا، اور اس نے کہا "اقرأ" "پڑھو" آپ نے کہا مَا اَنَا بِقَارِئٍ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑ کر زور سے دبایا، یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑا اور کہا "پڑھو" میں نے کہا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس نے دوسری مرتبہ مجھے دبایا یہاں تک کہ میرے لئے برداشت کرنا مشکل ہوگیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا "پڑھو" میں نے کہا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔ اس نے تیسری مرتبہ مجھے دبایا یہاں تک کہ میرے لئے برداشت کرنا مشکل ہوگیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) یہاں تک کہ اس نے مَالَمْ یَعْلَمْ تک کی آیتیں پڑھیں (بخاری بدء الوحی، کتاب التفسیر)

اس طرح قرآن کے نزول کا آغاز ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز کئے گئے۔ یہ معاملہ یکایک پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے یہ بات آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ آپ کو نبی بنایا جانے والا ہے۔ البتہ نبوت سے پہلے بھی آپ خالصۃً اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔ اور یہ عبادت کا ذوق و شوق ہی تھا جو آپ کو غار حرا میں کھینچ لایا۔ تا کہ آپ یکسوئی کے ساتھ عبادت میں منہمک ہو جائیں۔ جس فرشتہ کو آپ نے دیکھا وہ جبرئیل ہیں، جو اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر آئے تھے۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے یعنی آپ نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تھا۔ اس لئے کلام الٰہی کو پڑھنے کے سلسلہ میں اشکال محسوس کیا۔ لیکن جب فرشتہ نے آپ کو تین مرتبہ دبایا تو آپ کا اشکال دور ہوگیا۔ اور کلام الٰہی کے اخذ کرنے اور پڑھنے کی غیر معمولی صلاحیت پیدا ہوگئی۔

اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں پڑھنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد قرآن کا پڑھنا ہے جو کتابِ ہدایت ہے۔ جو لوگ قرآن کے اولین مخاطب تھے ان کی زبان عربی تھی اور قرآن عربی ہی میں نازل ہو رہا تھا۔ اس لئے پڑھنے کا حکم ان کے لئے سمجھ کر پڑھنے کے ہم معنیٰ تھا۔ لیکن جن کی زبان عربی نہیں ہے ان کے لئے اس حکم کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ قرآن کے اصل متن کو پڑھتے ہوئے اس کے معنیٰ و مفہوم کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔ جو کتاب ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے اس کو آدمی جب تک سمجھ کر نہیں پڑھے گا، اس کی ہدایت اور خیر و برکت سے فائدہ کس طرح اٹھا سکے گا؟

واضح رہے کہ قرآن پڑھنے کا یہ حکم عربوں یا مسلمانوں کے لئے خاص نہیں ہے۔ بلکہ اس حکم کا مخاطب ہر وہ انسان ہے جس تک یہ کتاب پہنچے۔ کیوں کہ یہ کتاب انسان کے خالق نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل کی ہے۔ انسانوں کے کسی مخصوص گروہ کی ہدایت کیلئے نہیں۔ اور چونکہ یہ قیامت تک کے لئے ہدایت ہے اس لئے قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسان اس حکم کے مخاطب ہیں۔ اگر ایک دوست کے خط کو غیر زبان میں پا کر آدمی کے اندر اس کے سمجھنے کے لئے بے چینی پیدا ہوتی ہے تو اس سے کہیں زیادہ بے چینی آدمی کو، بشرطیکہ اس کے اندر انسانیت زندہ ہو اپنے خالق کا ہدایت نامہ سمجھنے کے لئے ہوگی جو اگرچہ اس کی اپنی زبان میں نہیں ہے مگر اس کو سمجھنے کے لئے وسائل مہیا کر دیئے گئے ہیں۔

۲؎ یعنی اپنے رب کا نام لے کر قرآن پڑھو۔ بِسْم کی "ب" بائے استعانت ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ قرآن پڑھنا خدا کی توفیق پر منحصر ہے۔ لہٰذا اس کا آغاز کرتے ہوئے اپنے رب سے مدد طلب کی جائے۔ اس حکم کی تعمیل کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے اور وہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ جو قرآن کا دیباچہ ہے اور دیگر تمام سورتوں کا آغاز بجز سورۂ توبہ کے بسم اللہ الرحمن الرحیم (اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے) ہی ہوتا ہے۔

قرآن کو جو اللہ کے نام سے پیش کیا گیا ہے وہ دراصل اس حقیقت کا اظہار ہے کہ یہ کتاب لفظاً لفظاً اللہ کا کلام ہے۔ پیغمبر کا اپنا کلام نہیں اور یہ ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہے (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ فاتحہ نوٹ ا)

۳۔ یعنی جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔

۴۔ جمے ہوئے خون سے مراد استقرار حمل یعنی (Ovum) کے (Fertilize) ہونے کے بعد کی وہ حالت ہے، جب انسان اپنی تخلیق کے ابتدائی مرحلہ میں ہوتا ہے۔ اور اس کی شکل جمے ہوئے خون کی سی ہوتی ہے۔

یہاں اس کے ذکر سے مقصود اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ اتنی حقیر چیز سے، انسان جیسی اشرف المخلوقات کو بنا کر کھڑا کر دینا خالق کی عظیم قدرت، کمالِ حکمت، اس کی کرشمہ سازیوں اور بے انتہا نوازشوں پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔ اِقْرَأْ یعنی پڑھنے کا حکم یہاں دوبارہ دیا گیا ہے جس سے تاکید بھی مقصود ہے اور قرآن کی اہمیت کا اظہار بھی، کہ یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے جو بار بار پڑھے جانے کے لائق ہے۔ اور تمہیں یہ تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کہ اسے ایک بار نہیں بلکہ بار بار پڑھو۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ''اَکْرَم'' بیان ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑے شرف و عظمت والی ہستی ہے، اور وہ بندوں کے حق میں نہایت محسن ہے۔ یہاں اس صفت کے ذکر سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اپنی ذات کے اعتبار سے، اللہ تعالیٰ ہی شرف والا اور صاحب عظمت ہے۔ انسان کی تخلیق تو نہایت حقیر مادہ سے ہوئی ہے۔ اس لئے اسے غرور اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح انسان کو یہ احساس دلانا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ بہترین مخلوق بنا کر اس کی رشد و ہدایت کا سامان کیا۔

۷۔ یعنی قلم علم کی اشاعت کا محفوظ اور اہم ترین ذریعہ ہے۔ یہ ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کا بہترین استعمال یہ ہے کہ قرآن کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔ چونکہ قرآن ایک ایسی قوم پر نازل کیا جا رہا تھا جو اُمّی تھی۔ اس لئے قلم (کتابت) کی اہمیت واضح کی گئی تا کہ اب اسے اشاعتِ قرآن کی جو خدمت انجام دینا ہے، اور اس میں تحریر و کتابت کا جو مقام ہے اسے وہ محسوس کرے اور اس کے لئے مستعد ہو جائے۔ چنانچہ آگے چل کر تعلیمی میدان میں اس نے جو ترقی کی اور قرآن کو ضبط تحریر میں لا کر اس کی اشاعت کے سلسلہ میں جو بیش بہاء خدمات انجام دیں، وہ اسی ہدایتِ ربانی کے اثرات و نتائج تھے۔

۸۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے کہ اس نے ایک حقیر ترین مادہ سے بلند ترین صفات کی مخلوق کھڑی کر دی، جس کی ایک ممتاز ترین صفت اس کا صاحب علم ہونا ہے۔

''وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا'' سے مراد غیب کی حقیقتوں کا وہ علم ہے جو وحی کے ذریعہ انسان کو دیا گیا۔ یہ حقیقی اور بنیادی علم ہے جو قرآن کی شکل میں انسان کو عطاء ہوا ہے۔ اور اسی پر اس کے ارتقاء اور اس کی ابدی کامیابی کا دارومدار ہے۔ گویا قرآن کا نزول انسان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ چنانچہ سورۂ رحمٰن میں اس کو اپنی رحمت کا سب سے بڑا فیضان قرار دیا ہے۔:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ''رحمٰن نے قرآن سکھایا'' اور اس کا ذکر انسان کی پیدائش کے ذکر سے پہلے کیا ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ (انسان کو پیدا کیا) تا کہ واضح ہو کہ اس کی پیدائش کا مقصد ہدایت کا حصول ہے جس کا سرچشمہ قرآن ہے۔

۹۔ یعنی بجائے اس کے کہ انسان اللہ کی اس نعمت کی قدر کرتا اس سے سرکشی کرنے لگتا ہے۔

۱۰۔ یعنی اس سرکشی کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے کو خدا سے بے نیاز خیال کرنے لگتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ وہ من مانی کرنے کے لئے آزاد ہے۔ اس

لئے اسے نہ خدا کی پرواہوتی ہے اور نہ اس کی ہدایت کی۔ اور اگر اسے مال و دولت اور جاہ و منصب بھی حاصل ہو تو پھر اس کے اندر متکبرانہ نفسیات بڑی تیزی سے پیدا ہونے لگتی ہیں، اور وہ خدا کے خلاف سرکشی پر اُتر آتا ہے۔

۱۱۔ یعنی خدا سے بے نیازی اختیار کر کے کوئی شخص بھی اپنے کو عدالت خداوندی کی حاضری سے بچا نہیں سکتا۔ وہاں اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس سرکشی کا کیا نتیجہ نکلا۔

۱۲۔ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جو حدیث میں بیان ہوا ہے۔ نبی ﷺ بعثت کے بعد جب مسجد حرام میں نماز ادا کرنے لگے تو ابو جہل نے جو بڑا سرکش تھا۔ آپ کو نماز سے روکنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اس مخصوص واقعہ کی طرف اشارہ کے علاوہ آیت کا عمومی پہلو یہ ہے کہ، جو شخص بھی جس کسی بندہ کو نماز سے جو بندگیٔ رب کا اولین مظہر ہے روکتا ہے، وہ ایک بے ہودہ حرکت کرتا ہے جو ہر طرح قابلِ مذمت ہے۔

۱۳۔ ان آیات میں قرآن کے ہر مخاطب کو یہ سوچنے کی دعوت دی گئی ہے کہ ایک طرف، اللہ کا وہ بندہ ہے جو خود راہِ راست پر ہے۔ اور دوسروں کو خدا سے ڈرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ شخص ہے جس کا کام حق کو جھٹلانا اور اس سے روگردانی کرنا ہے، تو بتاؤ ان میں سے کس کی روش صحیح ہے؟ اور پھر اگر یہ جھٹلانے والا شخص اسلام دشمنی میں اندھا ہو کر، اس نیک بندہ پر زیادتیاں کر رہا ہو اور اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہو، تو اس کی یہ حرکت کیسی ہے؟

پس منظر کے لحاظ سے ان آیات کا اشارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل کی طرف ہے۔ مگر اپنے مفہوم کے لحاظ سے اس میں عمومیت ہے۔ جو شخص بھی اسلام دشمنی میں کسی نیک بندے کو راہِ حق سے روکے اس کی یہ حرکت، اسی طرح قابل مذمت ہے جس طرح کہ ابو جہل کی حرکت قابل مذمت تھی۔

۱۴۔ یعنی کیا یہ ظالمانہ حرکتیں کرنے والا شخص اس بات سے بے خبر ہے کہ اللہ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اور جب وہ ظالم و مظلوم اور بدکردار و نیک کردار سب کو دیکھ رہا ہے، تو وہ ظالم کو سزا کیسے نہیں دے گا اور مظلوم کی دادرسی کیسے نہیں کرے گا؟ کیا جس ہستی کی نظر اس کے بندوں اور ان کی تمام حرکات و سکنات پر ہو، اس کے نزدیک اس کی بندگی کرنے والے اور اس کی بندگی سے روکنے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ انصاف کا ایک دن برپا ہو۔

۱۵۔ یعنی یہ سرکش اگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا تو وہ دن آنا ہے، جب فرشتے اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ سورۂ رحمٰن میں مجرموں کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْأَقْدَامِ۔ (الرحمٰن: ۴۱)

''ان کی پیشانیوں کے بال اور ان کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو گھسیٹا جائے گا''

سرکش بڑے گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان کے دماغ میں یہ ہوا بھر جاتی ہے کہ وہ بڑے لوگ ہیں، اس لئے ان کو قیامت کے دن یہ رسوا کن عذاب دیا جائے گا، فرشتے ان کی پیشانیوں کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے اور انہیں جہنم رسید کریں گے۔

۱۶۔ جھوٹی اور خطا کار پیشانی اس لئے کہا کہ جو پیشانی اپنے خالق کے حضور نہ جھکی، اور دوسروں کو بھی اس کے حضور جھکنے سے روکتی رہی، اس کے جھوٹی اور خطا کار پیشانی ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے۔

۱۷۔ اشارہ ہے ابو جہل کی اس دھمکی کی طرف کہ اس وادی میں میری ٹولی کے لوگ زیادہ ہیں۔

۱۸۔ یعنی اگر کسی کو اپنی ٹولی کے لوگوں پر ناز ہے تو وہ ان کو اپنی حمایت کے لئے بلا لے۔ ہم بھی اپنی پولیس (زبانیہ) یعنی دوزخ کے فرشتوں کو بلاتے ہیں۔ پھر وہ دیکھ لے کہ اس کے اندر کتنا بل بوتا ہے۔

۱۹۔ یعنی ان سرکشوں کی باتوں میں نہ آؤ جو خدائے واحد کی بندگی سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔

۲۰۔ سجدہ کے معنیٰ جھکنے کے بھی ہیں اور ماتھا زمین پر ٹیک دینے کے بھی۔ یہاں سجدہ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے واحد ہی کے آگے جھکو، اسی کے آگے ماتھا ٹیکو اور اسی کے لئے نماز پڑھو۔

۲۱۔ یعنی اپنے رب کا قرب حاصل کرو۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

''بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔''

واضح ہوا کہ سجدہ جو نماز کا اہم ترین رکن ہے قرب الٰہی کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ کیوں کہ سجدہ میں انسان اپنی پیشانی کو جو جسم کا اشرف ترین حصہ ہے زمین پر رکھ دیتا ہے اور خدا کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہے۔ (سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ)۔

اس سے پہلے کی آیت میں خطا کار پیشانی کا ذکر تھا جسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ اس کے مقابل میں یہ آیت مؤمن کی پیشانی کی طرف اشارہ کر رہی ہے، جو خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے کی بناء پر معزز قرار پائے گی۔

سورہ کی ابتداء قرآن پڑھنے کے حکم سے ہوئی تھی اور اختتام خدا کا قرب حاصل کرنے کے حکم پر ہوا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قرآن پڑھنے کا ثمرہ خدا کا قرب ہے۔ اس سے اونچا کوئی مقام نہیں جس کا انسان تصور کر سکے اور اس سے بلند کوئی غایت نہیں جو حاصل کی جا سکتی ہو۔

اس آیت پر سجدہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (مسلم کتاب المساجد)

غــــار حـــرا

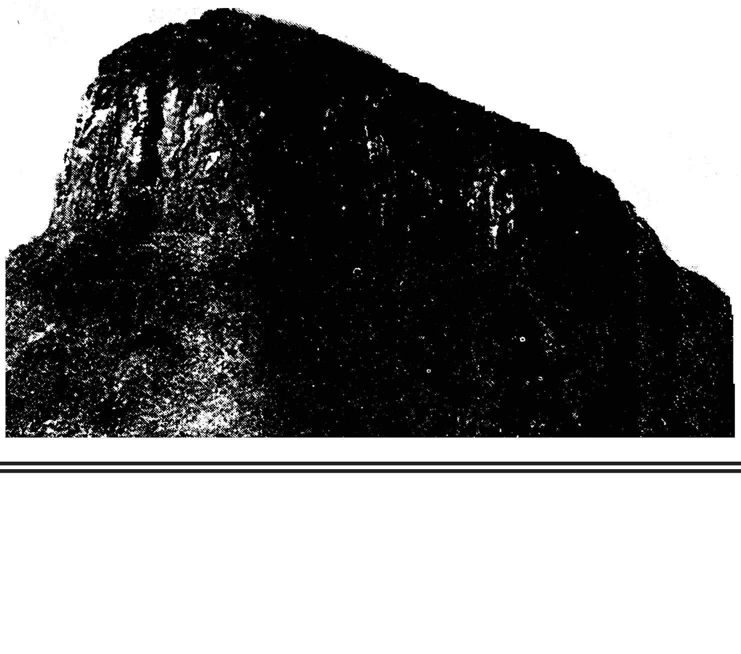

۹۷۔ القدر

نام پہلی آیت میں قرآن کے شبِ قدر میں نازل ہونے کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام '' اَلْقَدر '' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے جیسا کہ امام سیوطی نے الاتقان میں صراحت کی ہے (الاتقان ج ۱ ص ۲۲)۔ نیز مضمون سے بھی اس کے مکی ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

مرکزی مضمون قرآن کی اہمیت اور اس کی عظمت کو واضح کرنا ہے۔

نزولِ قرآن کا آغاز سورۂ علق کی ابتدائی آیات سے ہوا تھا۔اس سورہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ گھڑی نہایت مبارک تھی، جب نزولِ قرآن کا آغاز ہوا۔

نظم کلام سب سے پہلے اس عظیم تاریخی واقعہ سے آگاہ کیا گیا ہے کہ نزول قرآن کا آغاز، نہایت مہتمم بالشان طریقہ پر ایک جلیل القدر رات میں کیا گیا۔ کیوں کہ قرآن کا نزول کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ عظیم الشان فیصلۂ الٰہی ہے جو قوموں کی تقدیر بدلنے والا، اور دنیائے انسانیت کی کایا پلٹ دینے والا ہے۔

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ اس رات کی برکتیں کیا ہیں، اور کس طرح یہ رات صبح تک سرتاسر سلامتی کی رات ہوتی ہے۔

اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جو کتاب اس شان کے ساتھ نازل ہوئی ہے، اس سے بے اعتنائی برتنے والے اور اس کو بے وقعت خیال کرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اتنے بڑے خیر سے اپنے کو محروم رکھنا چاہتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْقَدْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝١

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝٢

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝٣

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝٤

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝٥

۹۷۔ سُوْرَةُ الْقَدْرِ

آیات: ۵

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ ہم نے اسے ا، شبِ قدر میں نازل کیا، ۲

۲ اور تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے؟ ۳

۳ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ۴

۴ اس میں فرشتے اور روح (الامین) ۵، اپنے رب کے اذن
سے ہر حکم کو لے کر اترتے ہیں۔ ۶

۵ سراپا سلامتی ہے۔ وہ شب طلوعِ فجر تک۔ ۷

۱۔ یعنی قرآن کو۔

۲۔ قدر کے معنیٰ قدر و منزلت کے ہیں اور (شبِ قدر) کے معنیٰ ہیں قدر و منزلت والی رات ۔ یہ وہ رات ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی جب آپ غارِ حراء میں معتکف تھے ۔ چونکہ اس رات کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ اس لئے اسے لیلۃ القدر کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اور سورۂ دخان میں لیلۃٍ مبارکۃٍ (مبارک شب) بھی کہا گیا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ان ایام کو منحوس قرار دیا گیا۔ جن میں قوم عاد پر عذاب نازل ہوا تھا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ''تو ہم نے ان پر منحوس دنوں میں سخت تند ہوا بھیج دی۔'' (حم السجدہ۔۱۶)

ظاہر ہے اس آیت میں منحوس دنوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دن بجائے خود منحوس تھے ۔ بلکہ چونکہ ان ایام میں قوم عاد پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا اس لئے وہ دن اس قوم کے لئے منحوس قرار پائے ۔ اس کی دوسری مثال رمضان کا مہینہ ہے کہ اس کی فضیلت و برکت اس بنا پر ہے کہ اس میں قرآن نازل ہوا۔ اسی طرح لیلۃ القدر کی فضیلت و برکت اس بنا پر ہے کہ اس میں نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہوا۔

یہ رات رمضان کی تھی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا''۔ (البقرہ۔۱۸۵)

یہ رات جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کی ایک رات تھی۔

واضح رہے کہ لیلۃ القدر میں قرآن کے نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس شب میں پورا قرآن نازل ہوا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس متبرک کتاب کے نزول کی ابتداء اسی شب میں ہوئی۔ گویا رحمت خداوندی اسی رات کو جوش میں آئی اور ہدایت کے سوتے اسی شب میں پھوٹ پڑے۔

نزول قرآن کے لئے دن کے بجائے رات کا انتخاب خالی از حکمت نہیں ہے۔ رات کا وقت سکون وطمانیت کا وقت ہوتا ہے خدا پرست انسانوں کی طبیعتوں کا میلان خدا کی طرف ہوتا ہے، یہ پرسکون اوقات روح کی بالیدگی کے لئے بہت موزوں ہوتے ہیں۔ اور بالخصوص شب کا آخری حصہ تو مناجات الٰہی اور آہ سحر گاہی کے لئے موزوں ترین وقت ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن اور حدیث میں شب کے آخری حصہ میں نماز اور دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور عجب نہیں کہ قرآن کا نزول بھی لیلۃ القدر کے آخری حصہ میں ہوا ہو۔

۳۔ یہ سوال لیلۃ القدر کی عظمت و برکت واضح کرنے کیلئے ہے۔ نیز اس کا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ اس رات کا معاملہ اسرارِ غیب میں سے ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں وحی الٰہی نے جو کچھ بتلایا ہے، اس سے زیادہ تفصیلات جاننے کا انسان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس رات کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرنے کا جو حکم دیا ہے اس پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

۴۔ ہزار مہینوں کی تعبیر خیر و برکت کی کثرت کو واضح کرنے کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ رات اپنے اس شرف کی بنا پر کہ اس میں انسان کو ہدایت سے نوازے جانے کا حکیمانہ فیصلہ ہوا، اور نزول قرآن کے سلسلہ کی ابتداء ہوئی۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ دوسری ہزار راتوں بلکہ ہزار مہینوں پر بھی بھاری ہے۔ اور جب ظرف (رات) اس درجہ کا ہے تو مظروف (قرآن) کس درجہ کا ہوگا!

اس رات نے اپنی برکتوں کے خزانے تو اس وقت کھول دیئے تھے جب فرشتہ غار حراء میں پہلی وحی لے کر آیا تھا۔ لیکن اس کی برکتیں مستقل طور سے

باقی رہ گئیں۔ چنانچہ ہر سال رمضان کے مہینہ میں نزول قرآن کی یادگار کے طور پر اسے منایا جاتا ہے۔ اور اس کے منانے کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اس میں نماز، تلاوتِ قرآن اور ذکر و دعا کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

''جس شخص نے ایمان کے ساتھ اللہ سے اجر کی امید پر شب قدر میں عبادت کی اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دئے گئے۔''

(بخاری کتاب صلاۃ التراویح)

جس طرح بارش کا موسم کاشت کاری کے لئے بڑا ساز گار رہتا ہے، اسی طرح قرب الٰہی کے حصول کے لئے شریعت کے مقرر کردہ مخصوص اوقات، مخصوص دن اور مخصوص راتیں نہایت ساز گار رہتی ہیں۔ مثلاً تہجد کا وقت، جمعہ کا دن، رمضان کا مہینہ، یوم عرفہ وغیرہ۔ اسی طرح لیلۃ القدر قرب الٰہی کے حصول کے لئے بہترین اور موزوں ترین شب ہے۔ اسی لئے حدیث میں اسے رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ ۔

(بخاری۔ کتاب صلاۃ التراویح)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

طاق راتوں سے مراد رمضان کی اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، اور انتیسویں شب ہے۔ کسی ایک شب کا تعین اس لئے نہیں کیا گیا کہ اس کی تلاش کا شوق پیدا ہو اور لوگ کئی راتیں عبادت میں گزاریں۔ اس پہلو سے اعتکاف کی مصلحت بھی واضح ہے جو رمضان کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ دنیا کے ایک حصہ میں رات ہوتی ہے تو دوسرے حصہ میں دن۔ اس لئے جب مکہ میں شب قدر ہو تو دور کے علاقے کے لوگ کس طرح اس کو پاسکیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے جس گھڑی کو بابرکت قرار دے کر عبادت کے لئے مختص کیا ہے، اس کے سلسلہ میں مقامی وقت کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً شب کا آخری حصہ جو دعا کی قبولیت کے لئے خاص ہے یا جمعہ کا وقت، تو اس سلسلہ میں مقامی وقت ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور اسی کے مطابق نماز وغیرہ ادا کی جاتی ہے۔ اور اس سے وہ برکتیں غائب نہیں ہو جاتیں جو مخصوص وقت یا مخصوص دن کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اسی طرح شب قدر کی برکتیں بھی مقامی وقت کا اعتبار کرنے کے باوجود باقی رہتی ہیں اور ہر علاقے کے لوگ اسے پاسکتے ہیں۔

۵۔ روح سے مراد روح الامین ہیں جو حضرت جبریل کا لقب ہے۔ ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کے سردار ہیں۔

۶۔ تَنَزَّلُ (اترتے ہیں) کا صیغہ تصویرِ حال کے لئے ہے تاکہ اس وقت کی تصویر سامنے آجائے جب فرشتے کلام الٰہی کو لے کر نازل ہو رہے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی بادشاہ کے سپاہی شاہی فرمان کو لے کر کسی مہم پر دوڑ پڑتے ہیں، اسی طرح جبریل فرشتوں کی فوج کے ساتھ فرمان الٰہی کو لے کر نازل ہوئے تھے، اور اس شان سے نازل ہوئے تھے کہ گویا روحانی عالم میں یہ جشنِ قرآن کی شب تھی۔

ہر حکم کو لے کر نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شب قدر میں فرشتوں کا نزول یونہی نہیں ہوا تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہر ہر حکم کی تعمیل کے لئے ہوا تھا۔ مثلاً یہ کہ قرآن کی پانچ آیتوں کو جو سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں نازل کرنا، مکہ کے غار حراء میں نازل ہونا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ نبوت پہنانا، آپ کو پکڑ کر بھینچنا تاکہ آپ میں اخذِ وحی کی اور اس کو صحت کے ساتھ پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے وغیرہ۔ ان کے علاوہ نزولِ خیر و برکت کے سلسلہ میں فرشتوں کو جو احکام دئے گئے تھے، ان میں سے ہر ہر حکم کی انہوں نے ٹھیک ٹھیک تعمیل کی۔ اس لئے نزول قرآن

اور نبوت سے سرفراز کئے جانے کا جو معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا وہ شبہہ سے بالاتر ہے۔

واضح رہے کہ آغازِ وحی کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف جبریل علیہ السلام دکھائی دئے تھے۔ مگر جیسا کہ یہ آیت صراحت کرتی ہے اس شب میں دوسرے فرشتے بھی نازل ہوئے تھے۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرشتہ کو دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا، جس کا متحمل ہونا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اس لئے آپ کے سامنے صرف جبریل علیہ السلام کو ظاہر کیا گیا۔

ے۔ نزول قرآن کے موقع پر آسمان پر سخت پہرے بٹھادئے گئے تھے، تاکہ شیاطین قرآن میں خلل اندازی نہ کرسکیں اور نہ انہیں ملاءاعلیٰ سے سن گن لینے کا موقع مل سکے۔ کیوں کہ اگر انہیں پیغمبر کی بعثت کی خبر قبل از وقت ہوئی یا جو پیغامات پیغمبر کی طرف بھیجے جا رہے ہیں ان کی بھنک انہوں نے پائی، تو وہ کاہنوں کے کانوں میں الٹی سیدھی باتیں ڈال کر زمین پر فتنہ برپا کریں گے۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کے غیر معمولی انتظام کا نتیجہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی کہ آپ کو نبی بنایا جانے والا ہے، اور نہ نزولِ قرآن سے پہلے کسی کو یہ خبر ہوئی کہ فلاں شب کو یہ اور یہ پیغام نازل ہونے والا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کی شب کو ہر قسم کی آفات سے محفوظ رکھنے کا سامان کیا تھا۔ اور اس رات کو کامل طور پر سلامتی کی رات بنایا تھا۔ اور یہ کیفیت تھوڑی دیر کے لئے نہیں بلکہ طلوع فجر تک رہی، کیوں کہ یہ مبارک شب قرآنِ کریم کے افتتاح کی شب تھی۔ اور اب جو نزول قرآن کی یادگار کے طور پر شب قدر منائی جاتی ہے تو اس میں بھی اس کی سلامتی اور برکتیں طلوع فجر تک رہتی ہیں۔ اس لئے یہ پوری رات اس لائق ہے کہ عبادت میں گذاری جائے۔

شب قدر سرتاسر سلامتی کی رات تھی اور اس میں جو کتاب نازل ہوئی وہ بھی سرتاسر سلامتی ہی کی کتاب ہے۔ یہ انسانیت کے لئے سلامتی کا پیغام ہے۔ اس کو قبول کرنے والے دنیا میں بھی سلامتی کی زندگی گذاریں گے اور آخرت میں انہیں ابدی سلامتی نصیب ہوگی۔

پہلی وحی جو شب قدر میں نازل ہوئی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

(العلق:۱۔۵)

۹۸۔ البینۃ

نام پہلی آیت میں اَلْبَیِّنَۃ (روشن دلیل) کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''اَلْبَیِّنَۃ'' رکھا گیا ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دعوت کے اس دور میں نازل ہوئی، جب اہل کتاب اور مشرکین پر نبی ﷺ کا رسول ہونا اچھی طرح واضح ہوگیا تھا۔اور اس کے باوجود انہوں نے انکار کی روش اختیار کرلی تھی۔

مرکزی مضمون اس سورہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے، اور آپ پر کتاب نازل کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۳ میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں کو کفر کی حالت سے نکالنے کے لئے، ضروری تھا کہ کتاب کے ساتھ ایک رسول بھیجا جائے، تاکہ وہ اللہ کے دین کو صحیح شکل میں پیش کرے۔

آیت ۴ اور ۵ میں واضح کیا گیا ہے کہ اہل کتاب کے پاس، اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن تعلیمات آچکی تھیں۔لیکن اس کے باوجود وہ تفرقہ میں پڑ گئے، اور دین کی اصل تعلیمات کو بھلا بیٹھے۔

آیت ۶ تا ۸ میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول کا انکار کرنے والے، کیسے دردناک انجام سے دوچار ہوں گے۔بخلاف اس کے رسول پر ایمان لاکر خدا سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرنے والے، کس طرح کامیاب اور بامراد ہوں گے۔

ارشادِ رسول حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں سورۂ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سناؤں۔حضرت اُبی بن کعب نے عرض کیا، کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر یہ حکم دیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں۔یہ سن کر حضرت اُبی بن کعب کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔(بخاری کتاب التفسیر)

حضرت اُبی بن کعب اہل کتاب میں سے تھے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے تھے۔اور چونکہ اس سورہ میں ان ایمان لانے والوں کے لئے بشارت ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی قدر فرماتے ہوئے انہیں یہ سورہ سنانے کا حکم اپنے نبی کو دیا۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قدر دیکھ کر حضرت اُبی بن کعب پر رقت طاری ہوگئی جو ایمان کا خاصہ ہے۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ
حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ
وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝٥

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧

جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝٨

۹۸۔ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ

آیات:۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

[۱] اہل کتاب ۱؎ ، اور مشرکین ۲؎، میں سے جنہوں نے کفر کیا ۳؎، اور وہ باز آنے والے نہ تھے، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آجاتی۔ ۴؎

[۲] (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاک صحیفے ۵؎، پڑھ کر سنائے،

[۳] جن میں درست احکام لکھے ہوئے ہوں۔ ۶؎

[۴] جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی، وہ واضح ہدایت آجانے کے بعد ہی تفرقہ میں پڑ گئے۔ ۷؎

[۵] حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں ۸؎، دین کو اس کیلئے خالص کر کے ۹؎ ، راست روی کے ساتھ ۱۰؎، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں ۱۱؎۔ یہی صحیح دین ہے۔ ۱۲؎

[۶] اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا ۱۳؎، وہ جہنم کی آگ میں پڑیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ ۱۴؎

[۷] یقیناً جو لوگ ایمان لائے ۱۵؎، اور جنہوں نے نیک عمل کئے وہ بہترین مخلوق ہیں۔ ۱۶؎

[۸] ان کی جزا ان کے رب کے پاس جاودانی باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ۱۷؎، اور وہ اس سے راضی! یہ (جزا) اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔ ۱۸؎

۱۔ اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، جن کے پاس اللہ کی کتاب ۔۔۔۔۔تحریف شدہ شکل میں سہی موجود تھی ۔۔۔۔اور جہاں تک اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کا تعلق ہے آج بھی تورات، زبور اور انجیل میں یہ نمایاں طور سے موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تحریف کی وجہ سے اس میں شرک کی آمیزش بھی ہوگئی ہے۔لیکن چونکہ یہود اور نصاریٰ اصلاً توحید کو مانتے تھے، اور شرک ان کے اندر باطل تاویلات کے نتیجہ میں آ گیا تھا وہ آخرت اور سلسلۂ رسالت کو بھی تسلیم کرتے تھے، اس لئے قرآن نے اس گروہ کیلئے اہل الکتاب کی اصطلاح استعمال کی۔ اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں مخصوص شرعی احکام بھی دئے۔ مثلاً یہ کہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جاسکتا ہے اور ان کا ذبیحہ اگر شرعی طریقہ پر ہو، کھایا جاسکتا ہے۔

رہے دوسرے اہل مذاہب، تو چونکہ ان بنیادی عقائد کے سلسلہ میں ان کے تصورات بہت مختلف تھے، اور ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب اس شکل میں بھی موجود نہیں تھی، جس شکل میں تورات وانجیل یہود ونصاریٰ کے پاس موجود تھی، اس لئے ان دو گروہوں کے علاوہ کسی بھی مذہبی گروہ کو قرآن نے اہل کتاب قرار نہیں دیا۔حتیٰ کہ بنی اسمٰعیل، قریش مکہ کو بھی جو ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے اور جن کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے بعض اجزاء، مثلاً طواف کعبہ، حج وغیرہ موجود تھے اہل کتاب میں شامل نہیں کیا۔ اور صریح بت پرستی میں مبتلا ہونے کے وجہ سے ان کے لئے مشرکین کی اصطلاح استعمال کی۔ اسی طرح مجوسیوں کو باوجود یہ کہ ان کے پاس مذہبی کتاب تھی ''اہل کتاب'' قرار نہیں دیا۔ اس سے واضح ہوا کہ ''اہل کتاب'' کی اصطلاح یہود ونصاریٰ کے لئے خاص ہے۔ اور اس حکم کا اطلاق کسی دوسرے مذہبی گروہ پر نہیں کیا جاسکتا اگر چہ اس کے پاس کوئی مذہبی کتاب ہو۔

۲۔ مشرکین یعنی اللہ کا شریک ٹھہرانے والے۔ یہاں یہ لفظ عرب کے بت پرستوں کے لئے بطور اصطلاح استعمال ہوا ہے۔

۳۔ یہاں کفر سے مراد وہ کفر ہے جس کے ساتھ ہٹ دھرمی بھی ہو۔ جیسا کہ بعد کے فقرہ ''باز آنے والے نہ تھے'' سے واضح ہے۔ ایسے ہٹ دھرم، کافر اہل کتاب میں بھی تھے اور مشرکین میں بھی۔ مشرکین کا کفر تو واضح ہی ہے کہ انہوں نے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ آخرت کے بھی منکر تھے اور سلسلۂ رسالت کے بھی۔ رہے اہل کتاب تو ان کے کفر کی مختلف صورتیں تھیں۔ مثلاً کوئی حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دیتا تھا تو کوئی حضرت عیسیٰ کو، کوئی تو حضرت عیسیٰ کی رسالت ہی کا منکر تھا اور کسی کے نزدیک وہ کفارہ بن گئے۔ (یعنی عیسائیوں کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن گئے)

۴۔ واضح دلیل سے مراد ایک نئے رسول کی آمد ہے جیسا کہ بعد والی آیت میں بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کفر میں شدید تھے، ان کے کفر کے ٹوٹنے کی اگر کوئی صورت ہوسکتی تھی تو وہ یہی تھی کہ ایک نئے رسول کی آمد ہو۔ گویا ایک نئے رسول کی آمد حالات کا اقتضاء تھا اور اس ضرورت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے پورا کردیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی ہٹ دھرمی میں مبتلا رہتا ہے تو اس کے جرم کی سنگینی اور بڑھ جاتی ہے۔

۵۔ صحفے یعنی لکھے ہوئے اوراق۔ پاک صحیفوں سے مراد کتاب الٰہی کے اوراق ہیں جو خالصۃً اللہ کے کلام پر مشتمل ہوں، اور ہر قسم کی تحریف اور باطل عقائد اور اخلاقی گندگی کی آمیزش سے پاک ہوں۔

آج جو لوگ مذہب بیزار ہیں وہ بائبل اور دوسری ''مقدس'' کتابوں کا مطالعہ کریں تو ان میں پائی جانے والی گمراہیوں، خدا کے بارے میں گھٹیا تصورات، انبیاء کی طرف منسوب غیر اخلاقی باتوں، بے سروپا روایتوں، لغو قصوں اور رسومات کی جکڑ بندیوں کو دیکھ کر ان کی مذہب بیزاری میں اضافہ ہی ہوگا۔ اس مذہب بیزاری کو اگر کوئی کتاب دور کرسکتی ہے تو وہ قرآن ہی ہے، جو نہ صرف ان تمام خرابیوں سے پاک ہے، بلکہ ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کی اور نہایت حکیمانہ تعلیمات پر مشتمل ہے۔

۶۔ اپنی طرف سے باتیں گڑھ کر خدا کی طرف منسوب کرنا اور ان کو ''مقدس'' کتابوں میں شامل کرنا، مذہب کا ناجائز انتفاع (Exploitation)

کرنے والوں کا شیوہ رہا ہے۔ اور اس کی مثالیں بائبل اور دوسری مذہبی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان ''مقدس'' کتابوں کا یہ حال دیکھ کر ایک ایسی کتاب کی ضرورت اُبھر کر سامنے آتی ہے، جس میں اللہ کے احکام صحیح شکل میں موجود ہوں۔ اور ایسی ٹھوس باتیں ہوں جو انسانی زندگی کے لئے صحیح منزل کا تعین کرسکیں اور اس کو صحیح رخ پر ڈال سکیں۔ قرآن ہی وہ کتاب ہے جو اس معیار پر پوری اترتی ہے، اور انسان کی اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔

۷۔ یعنی اہل کتاب کے فرقوں میں بٹ جانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس اللہ کی ہدایت واضح طور پر نہیں آئی تھی۔ بلکہ اس کی وجہ ہدایت خداوندی سے بے اعتنائی، خواہشات کے پیچھے چلنا اور نفسانیت ہے۔ ورنہ انہیں جو کتاب دی گئی تھی اس میں اللہ کی روشن ہدایت موجود تھی اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ گمراہ ہوتے اور الگ الگ فرقوں میں بٹ جاتے۔

واضح رہے کہ اہل کتاب دو بڑے فرقوں میں بٹ گئے۔ یہود اور نصاریٰ۔ اور ان دونوں نے الگ الگ مذہب کی شکل اختیار کرلی۔ نیز ان کے اندر ذیلی فرقے بھی بکثرت پیدا ہوگئے۔ مثلاً عیسائیوں میں کیتھولک، پروٹسٹنٹ وغیرہ۔

۸۔ یعنی انہیں خدائے واحد کی پرستش اور بندگی کا حکم دیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اس اولین ہدایت ہی کی خلاف ورزی کی۔ چنانچہ یہود کو بت پرستی میں بھی باک نہ ہوا۔ اور حضرت عُزیر کو اللہ کا بیٹا بنا بیٹھے۔ اور نصاریٰ نے ایک کی جگہ تین خدا بنا لئے۔ نیز دونوں گروہوں نے اپنے فقہاء اور مشائخ کو رب بنالیا کہ وہ جس چیز کو چاہیں حرام قرار دیں اور جس چیز کو چاہیں حلال۔

۹۔ یہاں ''دین'' کے معنیٰ اس اطاعت کے ہیں جو خضوع کے ساتھ ہو، نیز مطلق اور غیر مشروط ہو۔ خالق و مالک ہونے کی حیثیت سے اس اطاعت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے یہ اطاعت خالصۃً اسی کے لئے ہونی چاہئے۔ اس کی ہدایت سابقہ کتابوں میں بھی دی گئی تھی اور قرآن میں بھی دی گئی ہے۔

خدائے واحد کی عبادت کا جو حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ''دین'' کو اس کے لئے خالص کرنے کا مطالبہ، اسلام میں عبادت کی نوعیت کو بخوبی واضح کرتا ہے۔ اور وہ ہے پرستش کے ساتھ اطاعت کا امتزاج۔ بالفاظِ دیگر اسلام میں خدائے واحد کی پرستش اس طور سے مطلوب ہے کہ آدمی اس کی غیر مشروط اطاعت کرنے کیلئے دل سے آمادہ ہو، اور اس مستقل بالذات اطاعت کو اللہ کیلئے مختص کردے۔ اس اطاعت میں اللہ کی شریعت اور اس کا پورا دین شامل ہے۔

۱۰۔ راست روی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو دل کا میلان غیر اللہ کی پرستش کی طرف ہو، اور نہ اس کی عبادت میں بدعات کو شامل کرے۔ بلکہ یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت اس طریقہ پر کرے جس طریقہ کو اللہ نے عبادت کے لئے مقرر کیا ہے۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یہی تھا اس لئے حنیفیت طریقۂ ابراہیمی کا دوسرا نام ہے۔

۱۱۔ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم اہل کتاب کو دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے نماز کو ضائع کردیا۔ یہاں تک کہ تورات سے یہ حکم ہی غائب کردیا۔ البتہ زکوٰۃ کے احکام کسی نہ کسی شکل میں اب بھی بائبل میں موجود ہیں۔

۱۲۔ یعنی دین حق کی یہ بنیادی تعلیمات ہیں۔ یہی دین اہل کتاب کو دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے ان بنیادی تعلیمات کو کھودیا اور کھوکھلی دینداری کو لے کر بیٹھ گئے۔ اس معیار پر دوسرے مذاہب کو بھی پرکھا جاسکتا ہے۔

۱۳۔ یہاں کفر سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول، اور قرآن کو اس کی نازل کردہ کتاب ماننے سے انکار کرنا ہے۔

۱۴۔ جومخلوق اپنے خالق سے کفر وبغاوت کا رویہ اختیار کرے اس کے بدترین مخلوق ہونے میں شبہہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ معلوم ہوا کہ کفر کے نتیجہ میں انسان جوہرِ انسانیت کھو بیٹھتا ہے اور بجائے ارتقاء کے تنزل کے آخری گڑھے میں جا گرتا ہے۔

۱۵۔ ایمان لانے کے مفہوم میں توحید کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اس کی نازل کردہ کتاب تسلیم کرنا بھی شامل ہے۔

۱۶۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ میں جوہرِ انسانیت کھلتا ہے اور وہ حقیقی ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کرتا ہے۔

جومخلوق ہر قسم کی شیطانی ترغیبات کے علی الرغم اور ہر قسم کی آزمائشوں سے گذرنے کے باوجود قائم ہے، اور اس کی وفادار اور اطاعت شعار بن کر رہے اس کے بہترین مخلوق ہونے میں شبہہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟

۱۷۔ اللہ کی رضا سب سے بڑا انعام ہے جس سے اہل ایمان نوازے جائیں گے۔ جنت اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر ہوگی اور وہاں ظاہری نعمتوں کے ساتھ ساتھ یہ باطنی نعمت بھی اہل ایمان کو نصیب ہوگی۔

۱۸۔ اپنے رب سے ڈرنا دین کی اصل روح ہے۔ جن لوگوں کے اندر یہ روح موجود ہوتی ہے۔ ان کے اندر صحیح دینداری ہوتی ہے اس بنا پر وہ اس جزاء کے مستحق ہوتے ہیں جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً

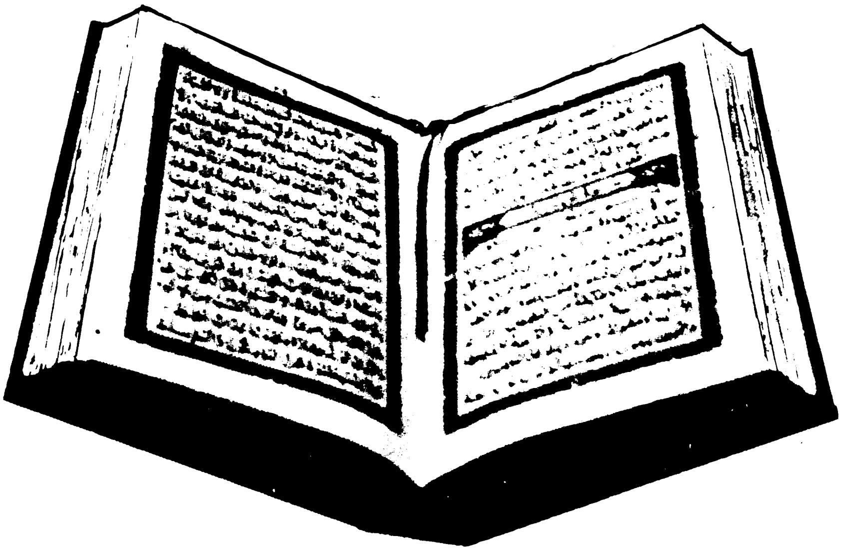

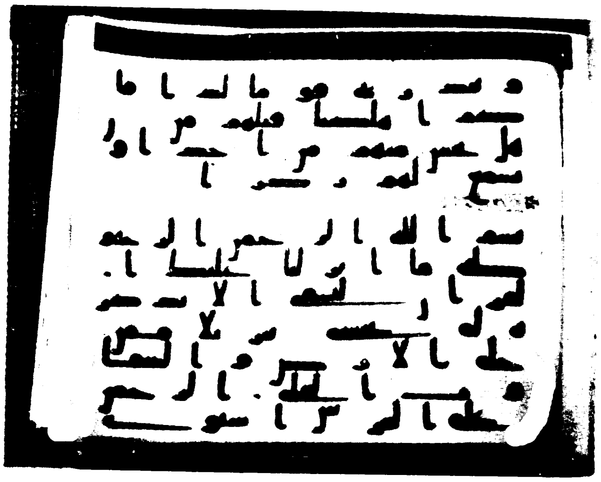

▲ صورة لمصحف عثمان بن عفان رضي الله عنه

۹۹۔ الزلزال

نام پہلی آیت میں قیامت کے دن زمین کے ہلائے جانے کا ذکر ہوا ہے، اور اس سلسلہ میں لفظ زلزال آیا ہے، جس کی مناسبت سے اس سورہ کا نام ''الزلزال'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ دعوت کے ابتدائی مرحلہ میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون قیامت کے دن انسان کا اٹھ کھڑا ہونا ہے، تا کہ اس کے اعمال کا پورا کچا چٹھا اس کے سامنے رکھا جائے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۳ میں زمین کی اس کیفیت کا ذکر ہے، جو قیامت کے دن اس پر طاری ہوگی۔ اور جس کو دیکھ کر انسان ششدر رہ جائے گا۔

آیت ۴ اور ۵ میں بتایا گیا ہے کہ اس روز زمین بول پڑے گی اور اپنی داستان سنائے گی، تا کہ انسان اس کی پیٹھ پر جو کچھ کرتا رہا ہے اس کی تاریخی شہادت سامنے آجائے۔

آیت ۶ تا ۸ میں بتایا گیا ہے کہ اس روز لوگ مختلف گروہوں کی شکل میں، اعمال کی پیشی کے لئے نکل پڑیں گے۔ اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی بھلائی یا برائی ایسی نہیں ہوگی جو اس کے سامنے نہ آجائے ۔

سُورَةُ الزَّلْزَلَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١
وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝٢
وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ۝٣
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝٤
بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝٥
يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝٦
فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝٧
وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝٨

۹۹۔ سُورَۃُ الزِّلزال

آیات: ۸

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

[١] جب زمین اپنی پوری شدت کے ساتھ ہلا دی جائے گی، ١۔

[٢] اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی، ٢۔

[٣] اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے! ٣۔

[٤] اس روز وہ اپنی خبریں سنائے گی۔ ٤۔

[٥] کیوں کہ تمہارے رب نے اس کو حکم دیا ہوگا ۔٥۔

[٦] اس روز لوگ مختلف گروہوں کی شکل میں نکلیں گے، تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔٦۔

[٧] تو جس نے ذرہ برابر بھلائی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا۔

[٨] اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا۔٧۔

۱۔ یہ قیامت کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے۔جبکہ تمام مرے ہوئے انسان زندہ ہو کر نکل پڑیں گے، جیسا کہ آگے کے مضمون سے واضح ہے۔ اس روز پورا کرۂ ارض اس شدت کے ساتھ ہلایا جائے گا کہ اس ہلائے جانے کا صحیح تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔زمین پر جتنے بھی زلزلے آئے ہوں، قیامت کا زلزلہ اتنا عظیم ہوگا کہ بڑے سے بڑا زلزلہ بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہ ہوگا۔

۲۔ مراد مُردے ہیں جن کو زمین قیامت کے دن اُگل دے گی۔گویا مُردے زمین کے لئے بوجھ ہیں، جن سے وہ خالی ہوا چاہتی ہے۔اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا جسم مٹی میں جو مل جاتا ہے وہ فنا نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ امانت بن کر زمین کے پاس رہتا ہے۔خواہ کیمیائی طور پر (Chemically) اس نے کسی بھی مادہ کی شکل اختیار کر لی ہو۔اور یہ امانت اپنی اصل شکل میں قیامت کے دن زمین حاضر کر دے گی۔یعنی انسانی جسم کے اعضاء کیمیائی تغیرات سے گذرنے کے بعد اپنی اصل ہیئت میں پھر ظاہر ہو جائیں گے۔

بوجھ باہر نکالنے کے مفہوم میں وہ شہادتیں بھی شامل ہیں جو زمین میں مدفون ہیں۔(مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انشقاق نوٹ ۴)

۳۔ یعنی انسان قبر سے نکلتے ہی بدحواسی کے عالم میں پکار اٹھے گا کہ زمین کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ وہ جھٹکے پر جھٹکے لے رہی ہے، اور ایک زبردست حادثہ سے دوچار ہے۔زمین کی یہ حالت دیکھ کر انسان اوّل تو حیران و پریشان ہوگا۔اس کے بعد اس پر یہ بات ظاہر ہوگی کہ یہ قیامت کا دن ہے۔البتہ جو لوگ اپنے ایمان میں مخلص ہیں ان پر قیامت کی کوئی گھبراہٹ طاری نہیں ہوگی۔

۴۔ یعنی زمین اپنی ساری سرگزشت سنائی گی کہ انسان نے جسے زمین میں خلیفہ بنایا گیا تھا، اس پر کس طرح کے تصرفات کئے۔کون زمین کے خالق کے آگے سجدہ ریز ہوا، اور کون بھومی پوجا کرتا رہا، کس نے دھرتی پر مسجد بنائی اور کس نے مندر، کس نے رفاہ عامہ کے ادارے قائم کئے اور کس نے سنیما گھر، کس نے دینی اجتماعات منعقد کئے اور کس نے ناچ رنگ کی مجلسیں سجائیں، کون انسانیت کے امن و امان کے لئے دوڑ دھوپ کرتا رہا، اور کون بستیوں کو اجاڑنے کے لئے بم برساتا رہا، کون اصلاح کا کام کرتا رہا اور کس نے فسادات برپا کئے، جنگیں کن لوگوں نے لڑیں، کب لڑیں، کس میدان میں لڑیں اور کن اغراض کے لئے لڑیں۔غرض زمین گذرے ہوئے تمام واقعات اس طرح سنائے گی جیسے ہر واقعہ جو زمین پر رونما ہوا تھا ٹیپ کر لیا گیا تھا، اور قیامت کے دن یہ پورا ریکارڈ انسان کو سنایا جائے گا۔تا کہ وہ زمین پر جو کچھ کرتا رہا ہے اس کا ثبوت فراہم ہو اور انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور پوچھا جانتے ہو زمین کیا خبریں سنائے گی؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔فرمایا وہ ہر بندے اور بندی کے بارے میں گواہی دے گی کہ اس نے یہ اور یہ کام فلاں اور فلاں دن اس کی پیٹھ پر کئے تھے۔(ترمذی ابواب تفسیر القرآن)

۵۔ یہ سوال ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے کہ زمین تو جمادات میں سے ہے پھر وہ انسانی اعمال کی سرگزشت کس طرح سنائے گی؟ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بول پڑے گی۔قرآن میں دوسرے مقام پر یہ صراحت ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کی کھالیں بھی ان کے خلاف گواہی دیں گی۔اور وہ جب تعجب سے پوچھیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی تو کھالیں جواب دیں گی، کہ جس خدا نے ہر چیز کو گویائی بخشی اس نے ہمیں بھی گویا کر دیا۔(حٰم سجدہ: ۲۱)

گویا جو چیزیں ہمارے تجربہ میں غیر ناطق ہیں ان کے ناطق ہونے کا مشاہدہ ہم قیامت کے دن کریں گے۔اور جو ہستی مٹی سے انسان بنا کر کھڑا کر سکتی ہے اس کے لئے مٹی میں گویائی کی صفت پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ جب ہم اپنی صدائے بازگشت گنبدوں سے اسی دنیا میں سن سکتے ہیں، تو قیامت کے دن جب کہ ایک نیا نظام قائم ہوگا اپنی ان باتوں کی جو دنیا میں کرتے رہے ہیں صدائے بازگشت سننا کیوں ناممکن ہے؟ اور ٹیلیویژن، ٹیپ ریکارڈر،

اور فوٹو گرافی جیسی ایجادات کے اس دور میں تو یہ بات محتاجِ دلیل ہی نہ رہی کہ انسان کی تمام حرکات وسکنات ذرہ ذرہ پر ثبت ہو رہی ہیں۔

۶۔ یعنی قیامت کے دن لوگ زمین کے مختلف گوشوں سے مختلف حالت میں گروہوں کی شکل میں نکلیں گے، تا کہ میدان حشر میں جمع ہو جائیں۔ اور وہاں انہیں ان کے اعمال دکھا دئے جائیں۔ قیامت تک جتنے انسان بھی پیدا ہوئے اور مرے خواہ کوئی زمین میں دفن ہوا ہو، یا سمندر میں غرق ہوا ہو، کسی کی لاش جلا دی گئی ہو، یا فضا میں تحلیل ہوگئی ہو، قیامت کے دن سب کے سب زمین سے نکل پڑیں گے۔ تا کہ وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں اس کا نتیجہ ان کے سامنے آئے؟ ''تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھا دئے جائیں'' سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کے سامنے اس کی عملی زندگی کے مناظر پیش کئے جائیں گے۔

۷۔ یعنی قیامت کے دن ہر شخص کو جب اس کی قولی وعملی زندگی کا مشاہدہ کرایا جائے گا تو وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور چھوٹی سے چھوٹی بدی کو دیکھ لے گا۔ رہا جزا وسزا کا معاملہ تو وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان قاعدوں کے مطابق ہوگا، جن کی صراحت قرآن میں دوسرے مقامات پر کی گئی ہے۔ مثلاً یہ کہ جن کے نیکی کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ کامیاب ہونگے، یا یہ کہ کافروں کے اعمال بے وزن قرار پائیں گے، یا یہ کہ شرک نا قابل معافی گناہ ہے، اور کافروں کے لئے ابدی جہنم کی سزا ہے وغیرہ۔

۱۰۰۔ العٰدیات

نام پہلی آیت میں العٰدیات (دوڑنے والے گھوڑوں) کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'العٰدیٰت' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ دعوت کے پہلے مرحلہ میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون خدا کے حضور جوابدہی سے غفلت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے، جو انسان کو خدا کا ناشکر گزار بناتا ہے۔ اور اس کی بخشی ہوئی نعمتوں اور قوتوں کے غلط استعمال پر اسے آمادہ کرتا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۵ میں جنگی گھوڑوں کو اس بات کی شہادت میں پیش کیا گیا ہے، کہ انسان خدا کی عطاء کردہ قوتوں کا کتنا غلط استعمال کرتا ہے۔

آیت ۶ تا ۸ میں انسان کو خدا کا ناشکر گزار ہونے، اور اُس کے مال کی محبت میں گرفتار ہونے پر ملامت کی گئی ہے۔

آیت ۹ تا ۱۱ میں انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اسے قیامت کے دن قبر سے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اور اسے خدا کے حضور حاضر ہونا ہوگا۔ اس روز انسان کے باطن کا حال کھل کر سامنے آجائے گا اور وہ محسوس کرے گا۔ کہ کوئی بات بھی، حتیٰ کہ اس کی وہ نیتیں اور ارادے بھی اللہ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں، جو دنیا میں مختلف کاموں کو انجام دیتے ہوئے اس نے اپنے دل میں چھپائے رکھے تھے۔

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۸﴾

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ﴿۹﴾

وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

۱۰۰۔ سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ

آیات:۱۱

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ قسم ہے ۱، دوڑنے والے گھوڑوں کی ۲، جو ہانپ اٹھتے ہیں، ۳

۲ جو ٹاپ مار کر چنگاریاں جھاڑتے ہیں، ۴

۳ جو صبح کے وقت دھاوا مارتے ہیں ، ۵

۴ اور اس تگ ودو سے غبار اڑاتے ہیں، ۶

۵ اور اس حالت میں غول میں جا گھستے ہیں، ۷

۶ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ ۸

۷ اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔ ۹

۸ اور وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔ ۱۰

۹ تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا، جب قبروں میں جو کچھ ہے اسے باہر نکال لیا جائے گا ، ۱۱

۱۰ اور سینوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے، اس کو نکال کر پرکھا جائے گا، ۱۲

۱۱ یقیناً ان کا رب، اُس روز اُن سے اچھی طرح باخبر ہوگا۔ ۱۳

۱۔ قسم کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ تکویر نوٹ ۱۴۔

۲۔ مراد جنگی گھوڑے ہیں جو سرپٹ دوڑتے ہیں۔نزول قرآن کے زمانہ میں گھوڑے بڑی جنگی اہمیت کے حامل تھے۔

۳۔ گھوڑوں کا ہانپ اٹھنا اور ہانپنے کے باوجود اپنی دوڑ جاری رکھنا، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر زبردست طاقت رکھی ہے۔

۴۔ یعنی جب جنگ یا غارتگری کے لئے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں، تو وہ ایسی سرگرمی دکھاتے ہیں کہ ان کی ٹاپوں سے چنگاریاں جھڑنے لگتی ہیں۔ یہ چنگاریاں گھوڑوں کی سموں کے تیزی کے ساتھ پتھریلی زمین سے ٹکرانے کے نتیجہ میں نکلتی ہیں، اور رات کی تاریکی میں دکھائی دیتی ہیں۔

گھوڑوں کا چنگاریاں جھاڑتے ہوئے بگ ٹٹ چلنا اس بات کا ثبوت ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست طاقت انسان کے طابع کر رکھی ہے۔

۵۔ عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی قبیلہ یا بستی پر حملہ کرنا چاہتے، تو رات کو گھوڑے دوڑاتے اور علی الصبح حملہ آور ہوتے۔ رات کو اس لئے حملہ نہیں کرتے تھے کہ رات کی تاریکی میں لڑنا مشکل تھا، اور صبح کو اس لئے حملہ آور ہوتے کہ دشمن پر انہیں اچانک ٹوٹ پڑنے کا موقع ملتا۔

۶۔ یعنی یہ گھوڑے اس برق رفتاری سے دوڑتے ہیں کہ گرد و غبار کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور جب یہ حملہ آور ہوتے ہیں تو اپنے ساتھ گرد و غبار کی ایک آندھی لئے ہوئے ہوتے ہیں۔

واضح ہو کہ عربستان کا علاقہ ریگستانی ہے اور نزول قرآن کے زمانہ میں پختہ سڑکیں بھی نہیں تھیں۔ اس لئے گھوڑوں کی دوڑ سے جو گرد و غبار اٹھتا ہوگا اس کو دیکھ کر لوگ دور ہی سے اندازہ کر لیتے ہوں گے کہ یہ غارتگری کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

۷۔ یعنی غول میں گھس کر تباہی مچاتے ہیں۔

ان آیات میں عربوں کے ان حملوں کی تصویر پیش کی گئی ہے، جو لوٹ مار اور غارت گری کی غرض سے وہ کیا کرتے تھے۔ ایک قبیلہ جب دوسرے قبیلہ پر چڑھائی کرتا تو اس کیلئے گھوڑے استعمال کئے جاتے۔ یہ گھوڑے رات کی تاریکی میں چنگاریاں جھاڑتے ہوئے نکلتے، اور علی الصبح گرد و غبار کی آندھی اٹھائے ہوئے بستی پر حملہ آور ہوتے، اور مدافعت کرنے والوں کے مجمع میں جا گھستے۔ اس کے بعد لوٹ مار کی گرم بازاری ہوتی اور عورتوں اور مردوں کو پکڑ کر لونڈی اور غلام بنا لیتے۔ اس چیز نے عرب کے علاقہ میں بدامنی کی فضا پیدا کر دی تھی۔ اور بستیوں پر یہ خطرہ منڈلاتا رہتا تھا کہ معلوم نہیں کون قبیلہ کس بستی پر کب حملہ آور ہو۔

قرآن نے اس ظلم و ستم کا احساس دلانے کے لئے غارت گری کی اس مہم کی تصویر پیش کر دی، جس میں تیز رفتار گھوڑوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے آج باطل مقاصد کے لئے لڑی جانے والی جنگوں میں تیز رفتار طیارے استعمال کئے جاتے ہیں، ان کے ذریعہ بمباری کی جاتی ہے اور شہروں اور بستیوں کو تباہ کیا جاتا ہے۔ اس کی تصویر الفاظ میں کھینچ لی جائے تاکہ ان ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف انسانیت کو جھنجوڑا جا سکے۔

۸۔ یہ وہ بات ہے جس کا احساس دلانے کیلئے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیز رفتار گھوڑے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور زبردست جنگی اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن ان کو غلط اغراض اور ظالمانہ کارروائیوں کیلئے استعمال کرنا، اس نعمت کی ناقدری اور اپنے رب کی بڑی ناشکری ہے۔

موجودہ دور میں ایٹمی توانائی کا انکشاف انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اور اس نعمت کا شکر وہ اسی صورت میں ادا کر سکتا ہے جب وہ اس توانائی کو تعمیری کاموں کیلئے استعمال کرے۔ لیکن اگر وہ تخریبی کاموں مثلاً ایٹم بم بنانے اور اس کو بڑے بڑے شہروں کو تباہ کرنے اور انسانیت پر ظلم ڈھانے کیلئے استعمال کرتا ہے، تو یہ اس نعمت کی صریح ناقدری اور اس کے عطاء کرنے والے کی بڑی ناشکری ہوگی۔

۹؎ یعنی انسان کا یہ ناشکرا پن محتاج دلیل نہیں ہے۔اس کا ضمیر خود اس پر بہت بڑا گواہ ہے۔وہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کے ناجائز استعمال کیلئے کتنے ہی بہانے بنائے، اس کی فطرت اندر سے ضرور پکار اٹھے گی کہ اس نے یہ غلط حرکت کی ہے۔کتنے ہی انسان اعلانیہ اپنے پروردگار کے خلاف نا شکری کا اظہار کرتے ہیں، وہ اپنی ناشکری پر خود حجت ہیں۔

۱۰؎ یعنی انسان کو خدا سے زیادہ مال و دولت سے محبت ہے۔وہ خدا پرست بننے کے بجائے زر پرست بن جاتا ہے۔چنانچہ وہ حصول مال کے لئے کشت وخون اور غارت گری تک کرنے سے نہیں رکتا۔

واضح رہے کہ قرآن مال کی محبت کو جو مذموم قرار دیتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خدا سے زیادہ مال کو محبوب رکھے، آخرت کو مقصود قرار دینے کے بجائے دنیا کی دولت کو مقصود قرار دے، حصولِ مال میں جائز اور ناجائز اور حلال وحرام کی تمیز نہ کرے۔اور بندگانِ خدا کی حق ماری اور ان کی املاک پر غاصبانہ قبضہ کرنے میں بھی اسے دریغ نہ ہو۔یہ زر پرستی ہر زمانہ میں موجود رہی ہے اور اس کا نیا روپ موجودہ زمانہ کی سرمایہ پرستی ہے۔

۱۱؎ یعنی تمام مرے ہوئے انسانوں کو زندہ اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔(ملاحظہ ہو سورۂ زلزال نوٹ ۲؎ اور ۶؎) یہاں سوال بطور تنبیہ کے ہے کہ انسان لوٹ کھسوٹ اس لئے کرتا ہے اور زر پرستی میں اس لئے مبتلا ہوتا ہے کہ اسے نہ اپنے دوبارہ زندہ کئے جانے کا یقین ہے اور نہ خدا کے حضور جوابدہی کا احساس۔حالانکہ یہ مرحلہ لازماً پیش آنا ہے۔

۱۲؎ یعنی قیامت کے دن صرف ظاہری اعمال ہی کو نہیں دیکھا جائے گا جو دنیا میں انسان کرتا رہا ہے۔بلکہ اس کے پیچھے جو جذبات، ارادے، نیتیں، اغراض اور محرکات رہے ہیں ان کو بھی دیکھا اور پرکھا جائے گا، تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور اس کے بعد ہی جزا یا سزا کا فیصلہ سنایا جائے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے سینہ کے جس بھید کو ظاہر کیا جائے گا وہ ایمان یا کفر ہوگا۔یعنی کس کے دل میں ایمان تھا اور کس کے دل میں کفر؟ جو لوگ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے رہے لیکن دلوں میں کفر کو چھپائے ہوئے تھے، ان کے سینوں سے اس روز کفر ہی برآمد ہوگا۔اسی طرح جن لوگوں نے نیکی اور بھلائی کے کام کسی غلط مقصد یا ناجائز محرکات کے تحت کئے ہوں گے، تو ان کی حقیقت بھی آشکارا ہو جائے گی۔اور جو لوگ غلط کام کر کے ان کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں تاکہ لوگ باور کریں کہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے، ان کی اغراض اور نیتیں بھی کُھل کر سامنے آجائیں گی۔

۱۳؎ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ظاہر و باطن سے آج بھی باخبر ہے۔لیکن قیامت کے دن ہر شخص پر یہ حقیقت کھل جائے گی اور وہ ماننے کے لئے مجبور ہوگا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے ظاہری اور باطنی حالات کا پورا پورا علم تھا۔اور آج قیامت کے دن وہ جو فیصلہ بھی کر رہا ہے پوری طرح باخبر ہو کر ہی کر رہا ہے۔

۱۰۱۔ القارعة

نام آیت ۱ میں قیامت کے عظیم حادثہ کو القارعة (کھڑکھڑانے والی آفت) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''اَلْقَارِعَةِ'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعوت کے ابتدائی مرحلہ میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون قیامت کے عظیم حادثہ سے خبر دار کرنا ہے۔ اور اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اس روز کامیابی و ناکامی کے لئے معیار حُسنِ عمل ہوگا۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۵ میں قیامت کی ہولناکی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورت حال سے خبر دار کیا گیا ہے۔

آیت ۶ اور ۷ میں ان لوگوں کا حُسنِ انجام بیان کیا گیا ہے، جن کے اعمال میزانِ عدل میں بھاری ہوں گے۔

آیت ۸ تا ۱۱ میں ان لوگوں کا انجامِ بد بیان کیا گیا ہے، جن کے اعمال میزان عدل میں ہلکے ہوں گے۔

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ۝١

مَا الْقَارِعَةُ ۝٢

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝١٠

نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

۱۰۱۔ سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ

آیات: ۱۱

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ وہ کھڑکھڑانے والی آفت، ا؎

۲ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی آفت! ۲؎

۳ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑانے والی آفت کیا ہے؟ ۳؎

۴ وہ دن جب لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے، ۴؎

۵ اور پہاڑ دُھنکی ہوئی اُون کی طرح ہوجائیں گے ۔ ۵؎

۶ پھر جس کی میزان بھاری ہوگی، ۶؎

۷ وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔

۸ اور جس کی میزان ہلکی ہوگی، ۷؎

۹ اس کا ٹھکانہ ''ہاویہ'' ہوگا۔ ۸؎

۱۰ اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ کیا ہے ؟

۱۱ دہکتی ہوئی آگ! ۹؎

۱۔ متن میں لفظ ''القارعۃ'' استعمال ہوا ہے، جو قیامت کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ہے۔اس کے لفظی معنی ہیں ٹھونکنے والی، کھٹکھٹانے والی، کھڑکھڑانے والی عظیم آفت۔قیامت کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ظہور بہت بڑی آفت کی صورت میں ہوگا۔اور جس طرح کوئی رات میں آنے والا دروازے کو دستک دیتا ہے اور سونے والے یکا یک جاگ اٹھتے ہیں، اسی طرح یہ آفت اچانک آئے گی جس کو دیکھ کر لوگ گھبرا اٹھیں گے۔

۲۔ یہ سوال اس لئے ہے تاکہ لوگ غفلت سے بیدار ہوں۔

۳۔ یہ سوال قیامت کی حقیقت اور اس کی ہولناکی سے آگاہ کرنے کے لئے ہے۔یعنی اس آفت کو معمولی واقعہ خیال نہ کرو۔

قرآن قیامت کا ذکر جس وثوق کے ساتھ کرتا ہے اور اس کے جو احوال تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے، وہ اس کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔آج آسمانی کتابوں میں کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے، جو قیامت کا اتنا واضح تصور اس تفصیل کے ساتھ پیش کرتی ہو۔

۴۔ یعنی قیامت کے دن لوگ قبروں سے متفرق طور پر نکل پڑیں گے اور ان کے انتشار کا یہ حال ہوگا جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔اس انتشار کی تصویر سورۂ قمر میں اس طرح کھینچی گئی ہے :

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ۔ (القمر۔۷)

''پست نگاہوں کے ساتھ قبروں سے اس طرح نکلیں گے کہ گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔''

انسان جب قبر سے اٹھے گا تو نہ اس کے ساتھ اس کا خاندان ہوگا اور نہ ذات برادری کے لوگ، بلکہ وہ اپنے کو ایک منتشر ہجوم اور ایک نئے ماحول میں پائے گا۔اور زمین و آسمان کو بدلا ہوا دیکھ کر اس پر سخت دہشت طاری ہوگی۔

۵۔ یعنی جس طرح دُھنکی ہوئی اُون ریشہ ریشہ ہوکر ہوا میں اُڑتی ہے، اسی طرح یہ بڑے بڑے پہاڑ قیامت کے دن ریزہ ریزہ ہوکر ہوا میں اڑ رہے ہوں گے۔اور جب ہمالیہ جیسے پہاڑ، اس روز اڑ رہے ہونگے تو کونسا قلعہ، کونسا محل اور کونسی عمارت ہے جو زمین پر باقی رہ سکے گی؟

منکرینِ قیامت کو اس بات پر تعجب ہوتا تھا کہ پہاڑ جیسی مضبوط چیز کو کیونکر اُکھاڑ پھینکا جاسکتا ہے؟ ان کا یہ تعجب خدا کی قدر کا صحیح اندازہ نہ کرنے کی بناء پر تھا۔ظاہر ہے جو خدا پہاڑوں کو پیدا کرنے اور ان کو زمین میں گاڑ دینے پر قادر ہے، وہ ان کو ریزہ ریزہ کرکے ہوا میں اڑا دینے پر کیوں قادر نہ ہوگا؟ موجودہ سائنسی اکتشافات کے دور میں تو ان باتوں کو سمجھنا بالکل آسان ہوگیا ہے۔اگر ایک ذرہ میں اتنی قوت ہے کہ اس کو توڑنے (Splitting) کے نتیجہ میں زبردست دھماکہ ہوسکتا ہے، تو پہاڑوں کے ذرات کو توڑنے (Splitting) کے نتیجہ میں قیامت کیوں نہیں برپا ہوسکتی؟

۶۔ قیامت کے دن اعمال تولے جائیں گے اور ان کے تولنے کے لئے میزان (ترازو) قائم کی جائے گی۔اس میزان میں وہی اعمال وزنی قرار پائیں گے جو حق کی بنیاد پر انجام دئے گئے ہوں گے۔کیوں کہ قیامت کے دن وزن صرف حق کو حاصل ہوگا جیسا کہ سورۂ اعراف میں فرمایا ہے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ط (الاعراف۔۸) ''وزن اس روز حق ہوگا''۔

اور کامیابی کیلئے شرط یہ ہوگی کہ یہ میزان بھاری ہو۔اور کسی شخص کی میزان اسی صورت میں بھاری ہوگی جب اس نے عملی زندگی حق کی بنیاد پر بسر کی ہوگی۔اور جس شخص کی نیکیوں کی مقدار جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی زیادہ یہ میزان بھاری ثابت ہوگی۔

اس میزانِ عدل کا تعلق احوالِ آخرت سے ہے اور عالمِ آخرت کے زمان و مکان اور وہاں کے پیمانے سب کچھ اس دنیا سے بہت مختلف ہوں گے۔اس لئے ہم آخرت کی میزانِ عدل کی نوعیت کا پوری طرح اس دنیا میں اندازہ نہیں کرسکتے۔لہٰذا ہمیں قرآن کے اجمالی بیان پر اکتفا کرنا چاہئے۔

اعمال کے تولے جانے میں اگر حیرت کی کوئی بات تھی، تو سائنس کی ایجادات نے اس کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ کیوں کہ کیفیتوں کو ناپنے کیلئے مختلف قسم کے آلات ایجاد ہوگئے ہیں۔ چنانچہ جسم کی حرارت کو جو ایک کیفیت ہی ہے تھرما میٹر کے ذریعہ ناپا جاتا ہے۔ اسی طرح ہوا کے دباؤ کو معلوم کرنے کے لئے بیرومیٹر (Barometer) استعمال کیا جاتا ہے اور جب انسان کے لئے کیفیتوں کا ناپنا ممکن ہو گیا ہے، تو زمین و آسمان کے خالق کے لئے اعمال کو تولنے والی میزان قائم کرنا کیا مشکل ہے؟

۷۔ ہلکی میزان ان لوگوں کی ہوگی جنہوں نے باطل کی بنیاد پر زندگی بسر کی تھی۔ ان کے اعمال خواہ وہ بظاہر کتنے ہی اچھے کیوں نہ دکھائی دیتے ہوں آخرت کی میزانِ عدل میں بالکل بے وزن ہوں گے۔ کیوں کہ باطل سرے سے کوئی وزن ہی نہیں رکھتا۔ اسی طرح ''سیئات'' برائیوں کے لئے بھی عالم آخرت میں بے وزنی کی کیفیت ہوگی۔ آج جب کہ یہ بات مشاہدہ میں آ رہی ہے کہ جو چیز زمین پر وزن رکھتی ہے وہ خلا میں بالکل بے وزن ہو جاتی ہے۔ یہ باور کرنا کیا مشکل ہے کہ باطل پرستوں کا ''کارنامۂ حیات'' دنیا والوں کی نظروں میں کتنا ہی وزنی اور شاندار رہا ہو، آخرت کی فضا میں وہ بالکل بے وزن ثابت ہوگا۔

۸۔ ''ھاویہ'' کے معنیٰ گہرے گڑھے اور کھڈ کے ہیں۔ یہ جہنم کا نام ہے اور اسے اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت گہری ہوگی۔ اور اس میں دوزخ والوں کو اوپر سے پھینک دیا جائے گا۔

۹۔ یعنی جہنم کا یہ عمیق گڑھا دہکتی ہوئی آگ سے بھرا ہوا ہوگا۔

جہنم کی وسعت، اس کی گہرائی اور اس کی غیر معمولی آگ کا حال سن کر کتنے ہی لوگ اسے ناقابل یقین خیال کرتے رہے ہیں، اور آج بھی کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ ان کی تنگ نظری اور کوتاہ بینی ہے۔ ورنہ جہنم کا وجود ہرگز باعثِ حیرت نہیں۔ سورج کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے، اس کا درجۂ حرارت ۲۷ ملین ڈگری فارن ہائیٹ، اس کا قطر زمین کے قطر سے ۱۰۹ گنا، اور اس کا حجم زمین کے حجم سے تین لاکھ تینتیس ہزار گنا بڑا ہے۔ سورج دراصل گرم گیسوں (Highly heated gases) کا مجموعہ ہے جس میں زبردست مقناطیسی طوفان اٹھتے رہتے ہیں۔ سائنس کی فراہم کردہ ان معلومات سے سورج کی بے پناہ وسعت، اس کی بے اندازہ گہرائی اور اس کی زبردست حرارت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ گویا سورج دنیا میں جہنم کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اور اس کو دیکھتے ہوئے آخرت کی جہنم نہ صرف ممکن معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا یقین پیدا ہو جاتا ہے۔

۱۰۲۔ التکاثر

نام پہلی آیت میں تکاثر (مال و دولت کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی طلب) کو اصل مقصدِ حیات سے غفلت کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "اَلتَّکَاثُر" ہے ۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دعوتی دور کے آغاز میں نازل ہوئی ہوگی ۔

مرکزی مضمون لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا ہے کہ مال و دولت اور دیگر دنیوی فوائد کے حصول میں ایسا انہماک، کہ عمریں اسی میں کھپ جائیں اور آخرت کی باز پرس کا خیال تک نہ آئے، بہت بڑی ناعاقبت اندیشی اور زبردست خسارہ کا سودا ہے ۔

نظمِ کلام آیت ۱ اور ۲ میں ان لوگوں کو جھنجھوڑا گیا ہے، جو دنیا کی دولت کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں ۔ اور اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی دھن، ان پر ایسی سوار ہے کہ موت کے اس پار جو کچھ پیش آنے والا ہے، اس کا انہیں ہوش ہی نہیں ۔

آیت ۳ تا ۵ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ موت کے اس پار کیا ہے، وہ تمہیں آنکھیں بند ہوتے ہی معلوم ہو جائے گا ۔ اگر آج تمہیں اس کا یقین ہوتا تو اپنے مستقبل کی طرف سے غافل نہ ہوتے ۔ اور حصول دنیا کی یہ دُھن تم پر سوار نہ ہوتی ۔

آیت ۶ تا ۸ میں خبردار کیا گیا ہے کہ جہنم کے وجود پر تم یقین کرو یا نہ کرو، وہ دن آ کر رہے گا جب اسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے ۔ اس وقت تمہیں اس کے وجود کا پوری طرح یقین ہو جائے گا ۔ لیکن وہ وقت عمل کا نہیں بلکہ حساب دینے کا ہوگا ۔ اور تمہیں ہر ہر نعمت کے بارے میں خدا کے حضور جواب دہی کرنی ہوگی ۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨

۱۰۲۔ سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

آیات: ۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ مال و دولت کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی طلب نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا، ۱ے

۲ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ ۲ے

۳ مگر نہیں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا، ۳ے

۴ پھر سن لو! یہ دھن صحیح نہیں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ ۴ے

۵ ہرگز نہیں! اگر تم یقینی طور پر جان لیتے۔ ۵ے (تو دنیا کے پیچھے نہ پڑتے)

۶ تم ضرور دوزخ کو دیکھ لوگے، ۶ے

۷ پھر تم اسے بالکل یقین کے ساتھ دیکھو گے، ۷ے

۸ پھر اس روز تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔ ۸ے

۱۔ یعنی تم لوگ مال و دولت کمانے، دنیا کے فائدے حاصل کرنے اور سامانِ عیش فراہم کرنے میں ایسے منہمک ہو کہ اصل مقصدِ حیات، اور اپنی حقیقی منزل تمہاری نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے۔ تمہاری ساری تگ و دو کسبِ زر، اور حصول جاہ و اقتدار کے لئے ہوتی ہے۔ اس سے بلند ہو کر کچھ سوچنے کے لئے تم آمادہ ہی نہیں ہو۔

مال و دولت کی حرص اور دنیوی فوائد کے حصول میں انسان کا حد سے زیادہ انہماک، انسان کی وہ بنیادی کمزوری ہے، جس میں وہ ہمیشہ مبتلا رہا ہے۔ البتہ موجودہ دور میں اس نے کچھ ''ترقی یافتہ'' شکلیں اختیار کر لی ہیں۔ چنانچہ زر پرستی نے سرمایہ پرستی کی اور دنیا پرستی نے مادہ پرستی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اگر انسان پہلے آخرت کا منکر تھا تو اب سرے سے خدا ہی کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا۔ اگر پہلے اخلاقی قدروں کو پسِ پشت ڈال کر دنیوی فوائد حاصل کرتا تھا، تو اب مفادِ دنیا کی خاطر اخلاقی اقدار سے بالکل عاری ہو گیا ہے۔ پھر موجودہ تمدنی ترقی کے زیر اثر ہر شخص کو اپنا معیار زندگی (Standard of Life) بلند کرنے کی فکر ہے۔ اور معاشی اور اقتصادی میدان میں افراد اور قومیں ایک دوسرے سے آگے نکلنا چاہتی ہیں۔ لیکن معیارِ اخلاق بلند کرنے کی فکر کسی کو نہیں ہے، اور نہ کوئی یہ سوچنے کی زحمت گوارہ کرتا ہے کہ آیا دنیا زندگی کا آخری مرحلہ ہے، یا اس سے آگے بھی مراحل طے کرنا ہوں گے؟ اس اہم ترین سوال کی طرف توجہ نہ کر کے انسان اپنے مقصد حیات سے بہت دور جا پڑا ہے۔ اور ایسی غفلت میں مبتلا ہے کہ اسے آگے پیچھے کی کچھ خبر نہیں۔

۲۔ یعنی زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنے اور دنیا حاصل کرنے کی کوشش میں تم نے اپنی عمریں کھپا دیں۔ اور مرتے دم تک تمہیں یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ موت کے بعد جس چیز سے سابقہ پیش آنے والا ہے اس پر غور کرتے۔

انسان کی کثرت طلبی اور کبھی نہ ختم ہونے والی حرص پر اسے حدیث میں بڑے مؤثر انداز میں متنبہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا وَ لَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ۔ (بخاری کتاب الرقاق)

''آدمی کے پاس اگر مال سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں، تو وہ تیسری کی تمنا کرے گا۔ آدمی کا پیٹ تو مٹی ہی بھر سکتی ہے۔''

''مٹی ہی بھر سکتی ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی حرص کا خاتمہ خاک میں مل جانے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

۳۔ یعنی عنقریب یہ حقیقت تم پر کھل جائے گی کہ مال و دولت کی کثرت، اور دنیوی سروسامان کا وافر مقدار میں حاصل ہو جانا اصل کامیابی نہیں ہے۔ بلکہ اصل کامیابی اخروی نعمتوں کا حصول ہے۔ اس وقت تمہیں اپنی اس غلطی کا شدید احساس ہوگا کہ آخرت کو نظر انداز کر کے تم نے کتنے برے انجام کو دعوت دی ہے۔

۴۔ مضمون کی یہ تکرار تاکید کے لئے بھی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بھی، کہ دنیا طلبی کی حقیقت پہلی مرتبہ تو موت کے آتے ہی سامنے آئے گی۔ اور دوسری مرتبہ قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔

۵۔ یعنی قرآن جس دن کی خبر دے رہا ہے اس پر اگر تمہیں یقین ہوتا، تو دنیا کے پیچھے پڑ کر غفلت کی زندگی ہرگز نہ گذارتے بلکہ اس دن کیلئے تیاری کرتے۔

۶۔ یعنی تم جہنم کے وجود کو اگر ماننا نہیں چاہتے تو نہ مانو، اس کا وجود بہر حال ایک حقیقت ہے۔ اور وہ دن لازماً آنا ہے جبکہ وہ تمہارے سامنے آ نمودار ہوگی اور تم اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو گے۔

۷۔ یعنی تمہارا جہنم کو دیکھنا خواب کی دنیا میں نہیں، بلکہ واقعات کی دنیا میں ہوگا۔ آج جس چیز کو تم ناقابل یقین خیال کر رہے ہو، وہ کل جب تمہارے مشاہدہ میں آئے گی تو تمہیں اس کے وجود کا پوری طرح یقین ہو جائے گا۔

۸۔ نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتیں شامل ہیں۔ مثلاً سامانِ رزق، مال و دولت، اولاد قوتیں اور صلاحیتیں، ذرائع و وسائل، جاہ و منصب اور حکومت و اقتدار وغیرہ۔ دنیا میں انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے وہ اپنے ساتھ ایک ذمہ داری بھی لاتی ہے۔ اور وہ ذمہ داری یہ ہے کہ انسان اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اس کو ان کاموں میں استعمال کرے جو اللہ کو پسند ہیں۔ اس طرح اگر انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق ادا کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کے لئے جوابدہی کا معاملہ آسان ہوگا، اور وہ اپنے رب کی ابدی نعمتوں کا مستحق ٹھہرے گا۔ لیکن اگر وہ سرے سے خدا کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتا یا تسلیم تو کرتا ہے مگر یہ سمجھتا ہے کہ ان نعمتوں کو عطا کرنے والے بہت سے خدا ہیں، یا فلاں نعمت فلاں دیوی یا دیوتا کی عطاء کردہ ہے، اور اس فاسد عقیدہ کی بنا پر وہ ان نعمتوں کو اللہ کی پسند اور ناپسند سے آزاد ہو کر استعمال کرتا ہے، تو قیامت کے دن اس سے سخت باز پرس ہوگی۔ اور اس ناشکری اور مجرمانہ طرز عمل کی بنا پر وہ سخت سزا کا مستحق ہوگا۔

محل کلام کے لحاظ سے اس آیت کا اشارہ خاص طور سے مال و دولت کی نعمت کی طرف ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی فکر تمہیں ضرور ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں جو جوابدہی کرنا ہوگی اس کا تمہیں بالکل خیال نہیں۔ اگر خدا کے حضور جوابدہی کا احساس تم میں ہوتا، تو مال و دولت کے حریص بننے کے بجائے قناعت پسند ہوتے کہ دولت جتنی وافر مقدار میں ملے گی حساب کا معاملہ اتنا ہی بڑھ جائے گا اور جوابدہی مشکل ہوگی۔ واضح رہے کہ قیامت کے دن جوابدہی ہر کسی کو کرنا ہوگی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَاتَزُوْلُ قَدَمَاعَبْدٍ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ عُمرِہٖ فِیمَا اَفْنَاہُ وَعَنْ عِلْمِہٖ فِیمَا فَعَلَ وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ وَفِیمَا اَنْفَقَہٗ وَعَنْ جِسمِہٖ فِیمَا اَبْلَاہُ۔ (ترمذی ابواب الزہد)

"(قیامت کے دن) بندے کے قدم ہٹ نہ سکیں گے، جب تک اس سے ان باتوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے گا: اس کی عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں گذاری، اس کے علم کے بارے میں کہ کہاں تک اس پر عمل کیا، اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا اور اس کے جسم کے بارے میں کہ کس چیز میں بوسیدہ کیا۔"

ایک موقع پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھوک کی شدت کو رفع کرنے کے لئے ایک انصاری کے گھر گئے اور انہوں نے آپ کی تواضع کھجور اور گوشت سے کی اور سب شکم سیر ہو گئے تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتُسْأَلُنَّ عَنْ ھٰذَا النَّعِیْمِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (فتح القدیر للشوکانی ج ۵ ص ۴۹۰ بروایۃ مسلم)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے ضرور اس نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

۱۰۳۔ العصر

نام پہلی آیت میں عصر (زمانہ) کی قسم کھائی گئی ہے، اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''اَلْعَصْر'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ دعوت کے ابتدائی مرحلہ میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ انسانی قافلہ، تیزی کے ساتھ ابدی ہلاکت کی طرف گامزن ہے۔ اس ہلاکت سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں۔ جو ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کریں۔ اور اس کے تقاضوں کو پورا کریں۔

نظمِ کلام یہ سورہ تین مختصر آیتوں پر مشتمل ہے۔ مگر معنیٰ کے لحاظ سے اس قدر جامع ہے کہ نہ صرف انسانیت کے عروج و زوال کی پوری تاریخ اس میں سمٹ کر آ گئی ہے، بلکہ مینارۂ ہدایت بن کر افراد، قوموں اور ملتوں کو صحیح سمتِ سفر سے آگاہ کر رہی ہے، تا کہ وہ منزل مقصود کو پہنچ جائیں۔ اور غلط راہ پر پڑ کر تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچیں۔

زمانہ کی شہادت اس بات کی تائید میں پیش کی گئی ہے کہ انسان تباہی سے نہیں بچ سکتا، اگر وہ اپنے اندر ایمانی اوصاف نہ پیدا کر لے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ①

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ②

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③

١٠٣۔ سُوْرَةُ الْعَصْرِ

آیات: ٣

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

١ زمانہ کی قسم، ١؎

٢ انسان گھاٹے میں ہے، ٢؎

٣ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ٣؎، اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ٤؎، اور ایک دوسرے کو حق کی ہدایت ٥؎، اور صبر کی تلقین کی۔ ٦؎

۱؎ اس سے پہلے ہم واضح کر چکے ہیں کہ قرآن میں مختلف چیزوں کی، جو قسمیں کھائی گئی ہیں وہ ان کے تقدس یا عظمت کی بنا پر نہیں کھائی گئی ہیں، بلکہ بطور شہادت اور دلیل کے کھائی گئی ہیں۔ یہاں زمانہ کی قسم بھی اسی مفہوم میں ہے۔

متن میں لفظ ''عصر'' استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ زمانہ کے ہیں۔ یہ لفظ خاص طور سے زمانہ کی تیز روی اور برق رفتاری کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

۲؎ یہ ہے وہ بات جس پر زمانہ کی گواہی پیش کی گئی ہے۔ یہ گواہی درج ذیل پہلوؤں سے ہے:

۱۔ انسان کے پاس سب سے زیادہ قیمتی چیز وقت ہی کا سرمایہ ہے، جو گذرتے ہوئے زمانہ کا ایک حصہ ہے۔ یہ وقت نہایت محدود ہے اور بڑی تیزی سے گذر جاتا ہے۔ جس طرح برف ہر لحہ پگھلتی رہتی ہے، اور اگر ایک تاجر اس کو جلد فروخت کر کے اس کی قیمت کھڑی نہ کر لے، برف ختم ہو جائے گی اور اس کے پلہ کچھ بھی نہ پڑے گا۔ اسی طرح انسان کو جو مہلتِ عمل ملی ہے اس سے اگر وہ فائدہ نہ اٹھائے، اور اپنی عاقبت کا سامان نہ کرے تو وہ لازماً گھاٹے میں رہے گا۔ کیوں کہ جو لحہ بھی گذر رہا ہے، اس کا سرمایہ برابر گھٹ رہا ہے۔ گویا سیکنڈ کی سوئی جس تیزی کے ساتھ چلتی ہے اسی تیزی کے ساتھ وہ ہماری عمر کو گھٹا کر ہمارے نقصان میں اضافہ ہی کرتی رہتی ہے۔ الا یہ کہ ہم وقت کی قدر پہچانیں اور اس کو ان کاموں میں گذاریں جو مفید نتائج پیدا کرنے والے اور ہماری عاقبت کو سنوارنے والے ہوں۔

۲۔ تاریخ کے وہ واقعات جو عذاب الٰہی کا مظہر تھے۔ اس بات کا ثبوت ہیں کہ جن قوموں نے کفر و سرکشی، مخالفتِ حق اور ظلم و فساد کی راہ اختیار کی وہ ہلاکت سے دوچار ہوئیں۔ گویا زمانہ اپنی تاریخ کے آئینہ میں اس حقیقت کو پیش کرتا ہے کہ ہلاکت و تباہی سے، دوچار ہونے والے کون ہیں اور اس سے بچنے والے کون۔

۳۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے نہ کہ سیر و تفریح کی جگہ۔ اس امتحان گاہ میں انسان کو مختلف موضوعات پر پرچے حل کرنے کیلئے دیئے گئے ہیں۔ اور اس کیلئے وقت بھی مقرر کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا جو شخص پرچہ حل کرنے کے بجائے تفریح میں وقت گذار دیتا ہے، وہ لازماً اپنا نقصان کرتا ہے۔ اور وقت کو ضائع کرنے والے کے لئے ناکامی مقدر ہے۔

ان پہلوؤں کے علاوہ عصر کی قسم میں یہ اشارہ بھی مضمر ہے کہ دنیا کے خاتمہ کا وقت قریب آلگا ہے، گویا آخری نبی کی بعثت اور قیامت کے درمیان اتنا ہی فاصلہ رہ گیا ہے، جتنا انسانی آبادی کی کل عمر کو ایک دن فرض کرنے کی صورت میں عصر اور مغرب کے درمیان ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ:

اِنَّمَا بَقَاءُکُمْ فِیْمَنْ سَلَفَ قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ کَمَا بَیْنَ صَلَاۃِ الْعَصْرِ اِلیٰ غُرُوْبِ الشَّمْسِ۔ (روح المعانی ج ۱۰ ص ۲۹۲ بحوالۂ بخاری)

''جو امتیں گذر چکی ان کے مقابلہ میں تمہارا دنیا میں رہنا اتنے ہی وقت کے لئے ہے، جتنا وقت نماز عصر اور غروب آفتاب کے درمیان ہوتا ہے''۔

خسران سے مراد زندگی بھر کا گھاٹا، یعنی دائمی تباہی اور ہلاکت ہے، جس سے فیصلہ کے دن انسان کو دوچار ہونا ہوگا۔

۳؎ یعنی آخرت کی ابدی ہلاکت سے وہی لوگ محفوظ رہیں گے، جو ایمان لا کر صالحیت کی زندگی اختیار کریں گے۔

ایمان لانے کا مطلب سورۂ بقرہ نوٹ ۶؎ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ آخرت کے خسارہ سے بچنے کے لئے صرف ایمان لانا کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ عمل صالح بھی ضروری ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جہاں ایمان حقیقۃً موجود ہوگا وہاں اس کی روشنی سے عملی زندگی بھی منور ہوگی، اور انسان نیک کردار بنے گا۔ لیکن جہاں ایمان محض جامد عقیدہ کی شکل میں

ہوگا ، جس نے شعور کو متاثر نہ کیا ہو تو عملی زندگی بھی سنور نہ سکے گی ۔ اچھے بیج سے اچھا درخت ہی پیدا ہوتا ہے اور خراب بیج سے خراب درخت ۔ اس لئے ہو نہیں سکتا کہ ایمان تو دل میں موجود ہو اور عملی زندگی فسق و فجور سے بھری ہوئی ہو ۔ عملی زندگی کا فساد اس بات کا ثبوت ہے کہ ایمان صحت کی حالت میں موجود نہیں ہے ۔

اعمال صالحہ کی حقیقت علامہ فراہی نے بڑی عمدگی سے بیان کی ہے ۔ لکھتے ہیں :

'' اللہ تعالیٰ نے اعمال حسنہ کو صالحات سے تعبیر فرمایا ہے ۔ اس لفظ کے استعمال سے اس عظیم حکمت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ انسان کی تمام ظاہری و باطنی ، دینی و دنیوی ، شخصی و اجتماعی ، جسمانی و عقلی صلاح و ترقی کا ذریعہ اعمالِ حسنہ ہی ہیں ۔ یعنی عمل صالح وہ عمل ہوا جو انسان کے لئے زندگی اور نشو و نما کا سبب بن سکے اور جس کے ذریعہ سے انسان ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک ترقی کر سکے ، جو اس کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں ۔ '' (مجموعۂ تفاسیر فراہی ص ۳۵۲)

۵ ۔ حق اور صبر اگر چہ ، اعمال صالحہ میں شامل ہیں ۔ لیکن چونکہ بنیادی نیکیوں میں سے ہیں ، اس لئے ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ فرمایا ہے ۔

حق اس بات کو کہتے ہیں کہ جو سچی مبنی بر عدل اور مطابقِ حقیقت ہو ۔ یہ باطل کی ضد ہے ۔ اور اس کا اطلاق پورے دینِ حق پر بھی ، ہوتا ہے اور اس کی تعلیمات پر بھی ، نیز اس کلمۂ حق پر بھی جو عدل و انصاف کے تقاضے کے تحت ، ظالم حکمرانوں یا باطل پرستوں کے سامنے پیش کیا جائے ۔ علاوہ ازیں اس کا اطلاق ان حقوق پر بھی ہوتا ہے جن کا ادا کرنا اخلاقاً یا شرعاً انسان پر واجب ہے ۔ مثلاً خدا کا حق ، ماں باپ کا حق ، رشتہ داروں کا حق ، پڑوسیوں کا حق ، غریبوں اور مسکینوں کا حق وغیرہ ۔

اہل ایمان کے اس وصف کا جو ذکر فرمایا کہ وہ حق کی ایک دوسرے کو ہدایت کرتے ہیں ، تو اس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ ایمان حق پر نہ صرف خود جمے رہتے ہیں ۔ بلکہ وہ دوسروں کو بھی اس کی ہدایت و تلقین کرتے ہیں ۔ بالفاظ دیگر اہل ایمان ایسے بے حس نہیں ہوتے کہ باطل اُبھر رہا ہو یا معاشرہ میں خلافِ حق اور منکر باتیں عام ہو رہی ہوں اور وہ خاموش تماشائی بنے رہیں ۔ بلکہ وہ اپنی معاشرتی اور اجتماعی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے حق کی آواز بلند کرتے ہیں ۔ اور ایک دوسرے کی اصلاح کے لئے کوشاں رہتے ہیں ۔

ضمناً اس سے یہ اصولی بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اظہارِ حق اہل ایمان کا حق ہے ۔ اور اس کی آزادی بہر حال انہیں ہونی چاہئے ۔

۶ ۔ حق کو قبول کرنے ، اس کی حمایت کرنے ، کلمۂ حق کہنے اور راہ حق پر چلنے کے نتیجہ میں طرح طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں ، تکالیف اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مخالفتوں کے طوفان سے گذرنا پڑتا ہے ۔ نقصانات بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں اور قربانیاں بھی دینا پڑتی ہیں ۔ اس لئے حق کے ساتھ صبر و استقامت ، تحمل و بردباری اور عزم و حوصلہ کا ہونا بھی ضروری ہے ۔ صبر کے مفہوم میں یہ تمام باتیں شامل ہیں اور اسی مناسبت سے صبر کی تلقین کو ضروری قرار دیا گیا ہے ۔

۱۰۴۔الھمزۃ

نام پہلی آیت میں "ھُمَزَۃٌ" اہل ایمان پر انگلیاں اٹھانے والوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کی یہ حرکتیں، ان کے لئے تباہی کا موجب ہوں گی۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "اَلْھُمَزَۃ" ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے۔اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۂ عصر کے بعد نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون زر پرستوں کو جھنجھوڑنا ہے کہ جن کے کردار، کا یہ حال ہو وہ لازماً کیفرِ کردار کو پہنچ کر رہیں گے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۳ میں زر پرستوں کے کردار کی تصویر پیش کی گئی ہے۔اور انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ کردار لازماً تباہی کا موجب ہے۔

آیت ۴ تا ۹ میں زر پرستوں کا اخروی انجام بیان کیا گیا ہے۔

یہ سورہ سابق سورہ سے اس درجہ مربوط ہے کہ بالکل اس کا تتمہ معلوم ہوتی ہے۔اگر سابق سورہ کا اختتام ان اوصاف کے بیان کرنے پر ہوا تھا، جو کامیابی کی ضمانت ہیں، تو اس سورہ کا آغاز ان خصائل کے ذکر سے ہوا ہے، جو ہلاکت کا موجب ہیں۔

سُورَةُ الْهُمَزَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾

الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۡ ۖ﴿۴﴾

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۭ﴿۵﴾

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾

الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۭ﴿۷﴾

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۧ﴿۹﴾

۱۰۴۔ سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ

آیات:۹

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ تباہی ہے ہر اس شخص کے لئے، جو (اہل ایمان پر) انگلیاں اٹھاتا اور طعن وتشنیع کرتا ہے، ۱ ؎

۲ جس نے مال سمیٹا اور اسے گن گن کر رکھا، ۲ ؎

۳ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال نے اس کو ہمیشگی کی زندگی بخشی ہے۔ ۳ ؎

۴ ہرگز نہیں ۴ ؎، وہ حُطمہ ۵ ؎، (کچل دینے والی) میں پھینک دیا جائے گا۔ ۶ ؎

۵ اور تمہیں کیا معلوم کہ حُطمہ کیا ہے؟ ۷ ؎

۶ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ، ۸ ؎

۷ جو دلوں پر جا چڑھے گی۔ ۹ ؎

۸ اس میں اُن کو بند کر دیا جائے گا،

۹ لمبے لمبے ستونوں میں۔ ۱۰ ؎

۱۔ سابق سورہ کی آخری آیت میں وہ اوصاف بیان کئے گئے تھے، جو آخرت کے خسران سے بچانے والے اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔ یہ اوصاف اہلِ ایمان کے کردار کی خصوصیات ہیں۔لیکن دنیا پرستوں کی نظر میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اور خاص طور سے جو لوگ مال و دولت کے پجاری ہوتے ہیں وہ اس کردار کے لوگوں کو نہ صرف بے وقعت خیال کرتے ہیں، بلکہ ان کی تذلیل وتحقیر پر اُتر آتے ہیں۔ مال کا گھمنڈ، ان کے اندر اوچھا پن پیدا کر دیتا ہے اور وہ ان پر انگلیاں اٹھاتے ہیں کہ ان پر بس آخرت ہی کی دُھن سوار ہے۔ اور ان کی دینداری کا مذاق اڑاتے ہیں اور جہاں موقع پاتے ہیں ان پر فقرے چست کر دیتے ہیں۔

اس سورہ کے نزول کے زمانہ میں قریش کے سرداروں کا یہی حال تھا۔ وہ مال کے گھمنڈ میں مبتلا تھے۔ اور جو لوگ مال کے پیچھے پڑنے کے بجائے آخرت کی دولت جمع کر رہے تھے، ان پر انگلیاں اٹھا رہے تھے کہ یہ کس عزت کے مستحق ہیں؟ عزت والا تو وہی ہے جو دولت مند ہے۔ ان کی دینداری اور ان کی متقیانہ زندگیوں پر وہ طرح طرح کی پھبتیاں چست کرتے اور سخت طعنہ زنی کرتے۔ یہاں ان کی ان ہی حرکتوں پر گرفت کی گئی ہے۔

موقع کلام کے لحاظ سے اہل ایمان پر انگلیاں اٹھانے اور طعن وتشنیع کرنے کی بری حرکت کو بخیل سرمایہ داروں کا شیوہ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ آگے کی آیت سے واضح ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حرکت صرف زر پرست ہی کرتے ہیں۔ بلکہ آیت کا اصل مدعا یہ ہے کہ جو بھی یہ حرکت کرے گا وہ اپنی تباہی کا سامان کرے گا۔ سورۂ توبہ میں جو مدنی سورہ ہے، منافقین کی اس طعنہ زنی کا ذکر ہوا ہے، جو اہلِ ایمان پر وہ صدقات کے سلسلہ میں کیا کرتے تھے۔

غریب اہلِ ایمان محنت مزدوری کر کے جو کچھ کماتے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے۔ مال کی بڑی مقدار ان کے پاس خرچ کے لئے نہ ہوتی۔ مگر منافقین اس پر طنز کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے:

اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُہۡدَہُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡہُمۡ۔ (التوبۃ۔ ۷۹)

''جو خوش دلی سے انفاق کرنے والے مؤمنوں پر، ان کے صدقات کے سلسلہ میں طعنہ زنی کرتے ہیں، اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں، جو اپنی محنت ومزدوری کے سوا انفاق کے لئے کچھ اور نہیں پاتے۔''

جہاں تک آیت کے خصوصی پہلو کا تعلق ہے، یعنی سیاق وسباق کے لحاظ سے اس کا جو مفہوم ہے، اس کی وضاحت اوپر ہو چکی۔ رہا اس کا مجموعی پہلو تو وہ یہ ہے کہ شریعت نے جن لوگوں کے احترام کا حکم دیا ہے ان کا احترام کرنے کے بجائے، ان کی پگڑی اُچھالنا، عیب چینی کرنا اور ان کے خلاف دلخراش باتیں کرنا، وہ مذموم خصلت ہے جس کا نتیجہ آخرت میں بہت برا نکلے گا۔ خواہ اس کا مرتکب کوئی مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ پرانے زمانہ میں عیب چینی اور طعن وتشنیع کے جو طریقے رائج تھے، مثلاً راہ چلتے آنکھوں سے اشارہ کرنا، انگلیاں اٹھانا، آوازیں کسنا، پھبتیاں چست کرنا، بُرے نام دھرنا، طعنہ زنی کرنا، اور خاص طور سے شاعری میں ہجو کرنا وغیرہ، تو موجودہ زمانہ میں ان کے علاوہ کچھ نئے طریقوں کا بھی اضافہ ہو گیا ہے مثلاً کارٹون، طنز نگاری، مزاحیہ ڈرامے، تیرونشتر کے کالم جو آج کل اخبارات کی زینت بنے ہوئے ہیں اور جس نے باقاعدہ فن کی شکل اختیار کر لی ہے ھَمز و لَمز (عیب چینی وطعنہ زنی) ہی کی ''ترقی یافتہ'' شکلیں ہیں۔ جب کہ ان کے ذریعہ ایسے لوگوں کی پگڑی اچھالی جائے جن کی عزت کو شریعت نے محترم ٹھہرایا ہے۔

۲۔ یعنی یہ مال کا گھمنڈ ہے جس نے ان کے اندر یہ ذہن پیدا کر دیا ہے کہ وہ ان غریبوں کو حقیر جانیں، اور ان کا مذاق اڑائیں جنھوں نے اپنے رب سے صحیح تعلق پیدا کر لیا ہے اور اپنی زندگیوں کو نیکیوں سے سنوارا ہے۔

زر پرستوں کو ہمیشہ مال ہی کی فکر لگی رہتی ہے۔اور حریص سرمایہ دار ہمیشہ سرمایہ ہی کے الٹ پھیر میں لگے رہتے ہیں۔ان کا دل کاروبار میں اٹکا ہوا ہوتا ہے اور ان کا دماغ، حساب کتاب میں لگا ہوا۔ان کی ساری توجہ ایک ہی مسئلہ پر مرکوز ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ان کے سرمایہ میں کس طرح اضافہ ہو اور ان کا بنک بیلنس کس طرح بڑھے۔یہ فکر ان کے دل و دماغ کو اس طرح پریشان کئے رہتی ہے کہ نہ انہیں، خدا اور آخرت کے بارے میں کچھ سوچنے کی فرصت ہوتی ہے اور نہ نفسیاتی طور پر وہ نصیحت کی باتیں سننے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں۔ان کی بڑھتی ہوئی حرص انہیں اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتی کہ وہ خدا کے بخشے ہوئے مال میں بندگانِ خدا کا جو حق ہے وہ ادا کریں۔بلکہ وہ اپنے مال پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔

زر پرستی کی مذمت انجیل میں بھی بڑے مؤثر انداز میں کی گئی ہے مثلاً:

''اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں، بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے اور نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔کیوں کہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا۔'' (متی ۶:۱۹۔۲۱)

''تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔'' (متی ۶: ۲۴)

۳۔ یہ سرمایہ پرست کی نفسیات کا عکس ہے۔وہ اپنے مال کو سرمایہ زندگی سمجھتا ہے، اور جو طرزِ عمل اختیار کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا اس کو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور کبھی موت آنے والی نہیں ہے۔

مال چونکہ دنیوی عیش و عشرت کا ذریعہ ہے، اس لئے اربابِ مال اس فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ مال، ان کے لئے حیات بخش ہے اور ان کی بقا کا موجب ہے۔حالانکہ مال میں نہ قوتِ حیات ہے اور نہ قوتِ بقاء۔اگر اس میں قوتِ حیات ہوتی تو وہ انسان کو ضرور قلبی سکون بخشتا، جب کہ مالداروں کو یہی چیز نصیب نہیں ہوتی اور بالعموم ان کی زندگیاں پریشانیوں میں گھری ہوئی ہوتی ہیں۔البتہ تقویٰ کی زندگی اختیار کر کے انسان قلبی سکون محسوس کرتا ہے۔معلوم ہوا کہ انسان کو حیاتِ جاوداں عطاء کرنے والی چیز تقویٰ ہے نہ کہ مال۔قرآن میں یہ حقیقت مختلف مقامات پر بیان ہوئی ہے۔اور انجیل میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آدمی روٹی ہی سے نہیں جیتا، بلکہ خدا کے کلام سے جیتا ہے، (متی ۴: ۴) اور واقعہ یہ ہے کہ آدمی کا مال اس کی قبر تک بھی نہیں جاتا کجا کہ اسے حیات جاوداں بخشے۔مگر آج بھی مال کے معاملہ میں انسان کی ذہنیت وہی ہے جو ماضی میں تھی۔یعنی وہ مال کو دنیوی زندگی کا سامان سمجھنے اور خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے، اس سے اپنی بقاء کی امیدیں وابستہ کرتا ہے اور اسے جمع کرتا رہتا ہے۔پھر جمع کرنے کی بھی کوئی حد نہیں ہوتی۔لکھ پتی بن جانے کے بعد وہ کروڑ پتی بننا چاہتا ہے اور کروڑ پتی بن جانے کے بعد ارب پتی، جب کہ معاشرہ میں کتنے ہی لوگ اپنی بنیادی ضرورتوں کے لئے محتاج ہوتے ہیں۔اور خیر کے کتنے ہی کام محض روپئے کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں پاتے۔

مختصر یہ کہ قرآن مال جمع کرنے کے اس رجحان کو مذموم قرار دیتا ہے، الا یہ کہ آدمی اپنی اور اپنے متعلقین کی حقیقی ضروریات کے لئے مال روکے رکھے۔

۴۔ یہ سرمایہ پرستوں کے اس خیال کی تردید ہے جو اوپر بیان ہوا۔

۵۔ متن میں لفظ حُطَمَہ استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ چُور چُور کر دینے والی اور کچلنے والی کے ہیں ۔یہ جہنم کا نام ہے اور اس کی یہ صفت ہمز و لمز کی اس مذموم خصلت کے مقابلہ میں بیان ہوئی ہے جس کا ذکر آیت ۱ میں ہوا۔اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جو شخص اللہ کے مخلص بندوں کی عزت کو مجروح کرتا ہے، جہنم اس کی عزت کے پرخچے اُڑائے گی، اور اہل ایمان کی تحقیر و تذلیل کرنے کی پاداش میں اُسے کچل ڈالے گی۔

غور کیجئے ھُمَزہ و لُمَزہ کے مقابلہ میں حُطمہ کے لفظ نے لفظی یکسانیت ہی نہیں، بلکہ معنوی مناسبت بھی پیدا کر دی ہے، اور قرآن کی بلاغت اور اس کے اعجاز کی یہ ادنیٰ مثال ہے۔

۶۔ پھینک دینے میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ وہ مال و دولت کی وجہ سے، جس گھمنڈ میں مبتلا تھا اس کا پتہ اسے اس وقت چلے گا جب وہ جہنم میں حقارت کے ساتھ پھینک دیا جائے گا۔

۷۔ یہ سوال جہنم کی ہولناکی کا احساس دلانے کے لئے ہے۔

۸۔ یہ حُطمہ کی تشریح ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمائی ہے۔

۹۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جن دلوں میں، اللہ کی محبت کی بجائے مال کی محبت رچ بس گئی تھی ان پر یہ آگ چڑھ دوڑے گی۔ اور دل میں آگ کے گھس جانے سے کرب والم کی جو کیفیت ہوگی، اس کا اندازہ دل کے مریض کی کیفیت سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۰۔ یعنی وہ اس آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

سورۂ
الفیل

١٠٥۔ الفیل

نام پہلی آیت میں اصحابُ الفیل (ہاتھی والوں) کا ذکر ہوا ہے ۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "اَلْفِیْل" ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور ابتدائی دور کی تنزیلات میں سے ہے۔

مرکزی مضمون تاریخی اور عبرتناک مثال ان لوگوں کے انجام کی، جو دولت اور اقتدار کے نشہ میں خانۂ کعبہ کو ڈھا دینے کی غرض سے نکلے۔

نظمِ کلام یہ پوری سورہ اس تاریخی واقعہ کے عبرتناک پہلوؤں پر مشتمل ہے، جو واقعۂ فیل کے نام سے مشہور تھا۔

آیت ١ میں اس بات پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ جس لشکر نے خانۂ کعبہ کو ڈھا دینے کے لئے اقدام کیا تھا، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟

آیت ٢ میں بتایا گیا ہے کہ ان کی چال کس طرح اُلٹی پڑی۔

آیت ٣ اور ٤ میں اللہ تعالیٰ کے کرشمہ قدرت کا ذکر ہوا ہے، جو اس کے گھر کی حفاظت کے لئے ظہور میں آیا۔

آیت ٥ میں حملہ آوروں کا عبرتناک انجام بیان کیا گیا ہے، جس کو تاریخ نے اپنے اوراق میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

سُورَةُ الفِيلِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ①

أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ②

وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ③

تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ④

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ⑤

۱۰۵۔ سُورَةُ الفِيلِ

آیات : ۵

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ تم نے نہیں دیکھا ۱ے، کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ ۲ے

۲ کیا ان کی تدبیر کو بیکار نہیں کر دیا ؟ ۳ے

۳ اور ان پر پرندوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ نہیں بھیجے ؟ ۴ے

۴ جو اُن پر پکی ہوئی مٹی کے ۵ے، پتھر پھینک رہے تھے، ۶ے

۵ پھر انہیں ایسا کر دیا جیسا کہ کھایا ہوا بھُس ۔ ۷ے

۱۔ خطاب گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس کے اصل مخاطب قریش اور اہل عرب ہیں جو اس واقعہ سے بخوبی واقف تھے۔

۲۔ ہاتھی والوں (اصحاب فیل) سے مُراد ابرہہ اور اس کا لشکر ہے، جو ہاتھیوں کو لے کر اللہ کے مقدس گھر پر چڑھ دوڑا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیلات قرآن نے بیان نہیں کیں، کیوں کہ اس واقعہ سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا۔ نیز اس سورہ کے نزول کے وقت اس کے عینی شاہد بھی موجود تھے۔ اس لئے قرآن نے اس کے عبرتناک پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنے اور اپنے اس احسان کا ذکر کرنے پر اکتفاء کیا، کہ اس نے کس غیر معمولی طریقہ سے اپنے گھر کی حفاظت کا سامان کیا۔ حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کی کوئی تفصیل منقول نہیں ہے البتہ روایات اور سیرت کی کتابوں میں تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ خاص طور سے سیرت ابن اسحاق میں یہ قصہ تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ لیکن اس میں رطب و یابس سبھی کچھ موجود ہے۔ دیگر روایات کا بھی کم و بیش یہی حال ہے۔ اس لئے ہم ان روایات کو سامنے رکھتے ہوئے صرف ان باتوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے، جن کی تائید قرائن سے ہوتی ہے یا جس کے قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔

یہ واقعہ ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء کا ہے جب کہ یمن میں ابرہہ نامی ایک عیسائی حکمراں، حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے ماتحت تھا حکومت کر رہا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر کہ عربوں کی عقیدت کا مرکز خانۂ کعبہ ہے اور وہاں ہر سال حج کا بڑا اجتماع ہوتا ہے، حسد پیدا ہو گیا۔ اور اس نے صنعاء (Sana) میں نہایت شاندار کنیسہ تعمیر کرایا، تاکہ عربوں کے حج کا رُخ اس کی طرف پھیرا جا سکے۔ اس غرض کے لئے اس نے خانۂ کعبہ کو ڈھا دینے کا منصوبہ بنایا۔ اور ساٹھ ہزار کا لشکر جرّار لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس لشکر میں آگے آگے ہاتھیوں کی ایک تعداد تھی اور اسی امتیاز کی وجہ سے یہ لوگ اصحابُ الفیل کہلائے۔

یہ لشکر جب یمن سے مکہ کے لئے روانہ ہوا تو راستہ میں بعض عرب قبائل نے مزاحمت کی۔ لیکن وہ اس کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے، یہاں تک کہ یہ لشکر منیٰ کے قریب وادی مُحسّر میں پہنچ گیا، جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔

ادھر قریش کو جب اس فوج کشی کی خبر ہوئی تو ان کے سردار عبد المطلب نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں، خانۂ کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اس دعا میں قریش کے دوسرے لوگ بھی شریک تھے۔ اس موقع پر عبد المطلب نے جو اشعار پڑھے وہ یہ ہیں۔

لَاهُمَّ اِنَّ الْعَبْدَ يَمْنَعُ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَکَ، لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ وَ مَحَالُهُمْ غَدْوًا مِحَالَکَ، اِنْ کُنْتَ تَارِکَهُمْ وَ قِبْلَتَنَا فَاَمْرٌ مَا بَدَالَکَ،

(سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۵۱)

''خدایا! بندہ اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے لوگوں کی حفاظت کر۔ کل ان کی صلیب اور ان کی قوت تیری قوت پر غالب نہ آنے پائے۔ اگر تو ان کو اور ہمارے قبلہ کو یونہی چھوڑ دینا چاہتا ہے تو پھر تیری مرضی''۔

قریش کیلئے جو تعداد میں مختصر تھے ساٹھ ہزار کے لشکر جرار کا مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ اگر ان کے اور لشکر کے درمیان مڈبھیڑ ہو بھی جاتی تو کامیابی کی امید نہیں تھی اور معاملہ اللہ کے گھر کی حفاظت کا تھا۔ اس گھر کی حفاظت کا جو پہلا گھر ہے جو دنیا میں اللہ کی عبادت کیلئے بنایا گیا۔ اس کی یہ غیر معمولی اہمیت اور فضیلت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس کی حفاظت کا غیر معمولی سامان ہو۔ چنانچہ غیرتِ حق جوش میں آئی اور اس نے لشکر کو آگے بڑھنے نہیں دیا۔ ابرہہ کا خاص ہاتھی جو آگے آگے تھا، وادی مُحسّر میں یکایک بیٹھ گیا۔ اسے مار مار کر زخمی کر دیا گیا مگر وہ نہ اٹھا۔ اسے یمن یا شام یا مشرق کی طرف موڑنے کی کوشش کی جاتی تو وہ اٹھ کر دوڑنے لگتا اور جب مکہ کی طرف موڑا جاتا تو فوراً بیٹھ جاتا۔ اتنے میں پرندوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ آئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ اور انہوں نے لشکر پر ان کی بارش کر دی۔ ان کنکریوں کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ جس پر بھی گرتی اس کے جسم پر پھوڑ انکل آتا اور پیپ اور لہو بہنے لگتا، اور کچھ دیر میں پورا جسم گلنے لگتا، جیسا کہ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے یہ غالباً چیچک کی قسم کا کوئی خطرناک مرض تھا جو یکا یک پھوٹ

پڑا تھا۔ کنکریاں جو پکی ہوئی مٹی کی تھیں کچھ ایسی سمیّت لئے ہوئے تھیں کہ جس کے کنکری لگ جاتی اس کا جسم سڑنے گلنے لگتا۔ اس وبا نے لشکر کو اس طرح لپیٹ میں لیا کہ اس کے اندر زبردست بھگدڑ مچ گئی اور لاشوں پر لاشیں گرتی چلی گئیں۔ ابرہہ کا بھی بہت بُرا حال ہوا۔ اس کے جسم سے لہو اور پیپ بہہ رہا تھا اور جسم جھڑ رہا تھا بالآخر اس کا سینہ پھٹ گیا اور وہ بری طرح ہلاک ہو گیا۔

یہ واقعہ ماہ محرم میں پیش آیا تھا اور اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۷۵)

اس واقعہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا۔ پرندوں کے ذریعہ سنگریزوں کی بارش، اور وہ سنگریزے بھی ایسے جو بندوق کی گولی کا کام کریں، خدا کی ایک معجزانہ نشانی تھی جو ظاہر ہوئی۔ اور اس قسم کی نشانیاں خاص خاص مواقع پر ہی ظاہر ہوتی ہیں۔

رہا اس کا تاریخی ثبوت تو قرآن بجائے خود سب سے بڑا تاریخی ثبوت ہے کیوں کہ اگر قرآن کا بیان غلط ہوتا ۔۔۔ اور یہ بات وہی لوگ سوچ سکتے ہیں جن کو قرآن کی صداقت پر یقین نہیں ۔۔۔ تو اہل مکہ ضرور اس کی تردید کرتے۔ لیکن چونکہ اس واقعہ کے عینی شاہدان کے درمیان موجود تھے، اور واقعہ کی شہرت کی بنا پر وہ اس کی حقیقت سے باخبر تھے اس لئے قرآن کے بیان کو غلط قرار دینے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں قبل اسلام کے عرب شعراء نے اس واقعہ کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔ مثال کے طور پر نُفَیل جو اس واقعہ کا عینی شاہد ہے کہتا ہے:

حَمِدْتُ اللهَ اِذَا اَبْصَرْتُ طَيْرًا	میں نے اللہ کا شکر ادا کیا جب پرندوں کو دیکھا۔
وَ خِفْتُ حِجَارَۃً تُلْقٰی عَلَيْنَا	اور ڈرا کہ کوئی پتھر لگ نہ جائے جس کی ہم پر بارش ہو رہی تھی۔

اور ابرہہ کی مغلوبی کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

اَيْنَ الْمَفَرُّ وَ الْاِلٰهُ الطَّالِبُ	اب بھاگ کر کہاں جائیں جب کہ خدا تعاقب کر رہا ہے۔
وَ الْاَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَيْسَ الْغَالِبُ	اور نکٹا (ابرہہ) مغلوب ہے غالب نہیں۔

(سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۵۳۔۵۴)

۳۔ یعنی ابرہہ اور اس کے لشکر نے خانۂ کعبہ کو ڈھانے کی غرض سے، جو اقدام کیا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے ناکام بنا دیا۔ اور وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اصحاب الفیل کی تدبیر کو ناکام بنانے میں بتوں یا دیوی دیوتاؤں کا کوئی دخل نہیں تھا، بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کرشمۂ قدرت تھا جو ان پر عذاب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اہل عرب بھی اس کے معترف تھے، چنانچہ عرب شعراء نے اسے اللہ ہی کا کرشمۂ قدرت قرار دیا ہے۔ اور قریش نے بھی عبدالمطلب کے ساتھ خانۂ کعبہ کے دروازہ پر جو دعا مانگی تھی وہ خدا ہی سے مانگی تھی نہ کہ بتوں سے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید برحق ہے جس کی دعوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں۔ اور بُت پرستی یکسر باطل ہے۔

۴۔ یہ اس بات کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کی تدبیر کو کس طرح بے کار کر دیا۔ صورت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ کرنے کے لئے پرندوں کے غول کے غول بھیج دیئے۔ بالفاظ دیگر ہاتھی والے لشکر کا مقابلہ پرندوں کے لشکر نے کیا۔

راویوں کا بیان ہے کہ یہ پرندے خاص قسم کے تھے اور سمندر کی طرف سے آئے تھے۔

۵۔ متن میں لفظ ''سِجِّیل'' استعمال ہوا ہے جو فارسی کے دو لفظ سنگ اور گل کا مُعَرَّب ہے، اور اس سے مراد وہ کنکر ہیں جو پکی ہوئی مٹی سے بنے

ہوں۔ آتش فشاں علاقے میں لاوے کی وجہ سے مٹی جو پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے شاید اسی کو سجیل کہا گیا ہے۔ اور عجب نہیں کہ پرندے ان سنگریزوں کو اپنی چونچوں اور پنجوں میں قریب کے کسی آتش فشاں علاقہ سے لے آئے ہوں اور ان کے اندر زہریلا مادہ ہو، یا اس کے ساتھ زہریلے جراثیم ہوں جس نے یکا یک وبا کی شکل اختیار کر لی ہو۔ بہر صورت یہ عام پتھر نہیں تھے بلکہ خاص قسم کے سنگریزے تھے۔ اسی لئے قرآن نے اس وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر کیا کہ ''سجیل کی قسم کے پتھر''۔

۶۔ پرندوں کی یہ سنگباری گویا آسمانی بمباری تھی جس نے ہاتھیوں کو بھی تباہ کیا اور ہاتھی والوں کو بھی۔

پرندوں کے سنگریزے گرانے کو سنگریزے پھینکنے، (تَرْمِیْهِمْ) سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہوں نے لشکر پر سنگریزوں کی ایسی بوچھار کر دی تھی کہ وہ پوری طرح اس کی زد میں آ گیا۔ گویا یہ تیر تھے جو نشانہ پر لگ گئے۔ اس صورتحال کے پیدا ہونے میں ہو سکتا ہے کہ ہوا کا بھی دخل رہا ہو یعنی اس وقت تیز ہوا چلی ہو۔ غالباً اسی وجہ سے بعض شعرائے عرب نے پرندوں کی اس سنگباری کو حاصِب (پتھر برسانے والی آندھی) سے تعبیر کیا ہے۔

ہاتھی والوں پر پرندوں کے جو جھنڈ بھیجے گئے تھے، اس کی ایک تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہ پرندے ہاتھی والوں کی لاشیں کھانے کے لئے آئے تھے، نہ کہ کنکر برسانے کیلئے۔ مگر آیات کا سیاق وسباق اس تاویل کو قبول نہیں کرتا۔ نیز پرندوں کا لاشیں کھانا کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ قرآن اس اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر کرے۔ اس لئے جمہور مفسرین نے ان آیات کا جو مطلب بیان کیا ہے وہی صحیح ہے، اور اس کی رو سے پرندے لاشیں کھانے کے لئے نہیں، بلکہ لاشیں گرانے کے لئے آئے تھے۔

رہا یہ سوال کہ قریش نے جو بیت اللہ کے متولی تھے فوج کا مقابلہ کیا یا نہیں؟ تو واقعہ یہ ہے کہ ان کی مڈبھیڑ فوج سے ہوئی ہی نہیں۔ وہ مکہ میں تھے اور لشکر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان تھا اس لئے نہ یہ بات صحیح ہے کہ وہ ڈر کر پہاڑوں میں چھپ گئے تھے جیسا کہ روایتوں میں بیان کیا گیا ہے، اور نہ یہ خیال صحیح ہے کہ انہوں نے پہاڑوں پر سے لشکر پر پتھراؤ کیا تھا۔ پہاڑوں میں چھپنے کی بات اس لئے باور کرنے کے لائق نہیں کہ قریش بزدل نہیں تھے۔ اور جب کہ ابرہہ کی مزاحمت، بعض عرب قبائل نے راستہ میں کی تھی جیسا کہ ان روایات ہی میں بیان ہوا ہے، تو قریش کس طرح مزاحمت نہ کرتے۔ ان کی غیرت وحمیت اس بات کو کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ بیت اللہ کو چھوڑ کر سب کے سب بھاگ جائیں؟ اور اللہ کے گھر پر قربان ہونے کے لئے ایک آدمی بھی موجود نہ رہے؟ عبد المطلب کے ان دعائیہ اشعار سے جو اوپر نقل کئے گئے بزدلی کا اظہار نہیں ہوتا۔ البتہ چونکہ قریش تعداد کی قلت کی وجہ سے ایک لشکر جرار کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت کا غیر معمولی سامان کیا۔ رہا یہ دعویٰ کہ دراصل انہوں نے پہاڑوں پر سے سنگباری کی تھی نہ کہ پرندوں نے، تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور جب قریش کا ابرہہ کے لشکر کے نزدیک آنا ہی ثابت نہیں تو پتھر پھینکنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

۷۔ یعنی ان ہاتھی والوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی عبرتناک سزا دی کہ وہ سڑی گلی لاشوں کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔ کھائے ہوئے بھوسہ سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھوسہ ایک بے وقعت چیز ہے اور پامال کیا جاتا ہے، اسی طرح یہ لشکر جرار بے وقعت اور پامال ہو کر رہا۔ بھوسہ کو جب جانور کھا لیتا ہے تو اس کی نہایت مکروہ شکل بنتی ہے۔ ہاتھی والوں کی لاشوں کا بھی یہی حال ہوا۔ اس لئے ان کو کھائے ہوئے بھوسہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

نقشہ

خانۂ کعبہ پر ابرہہ کی فوج کشی

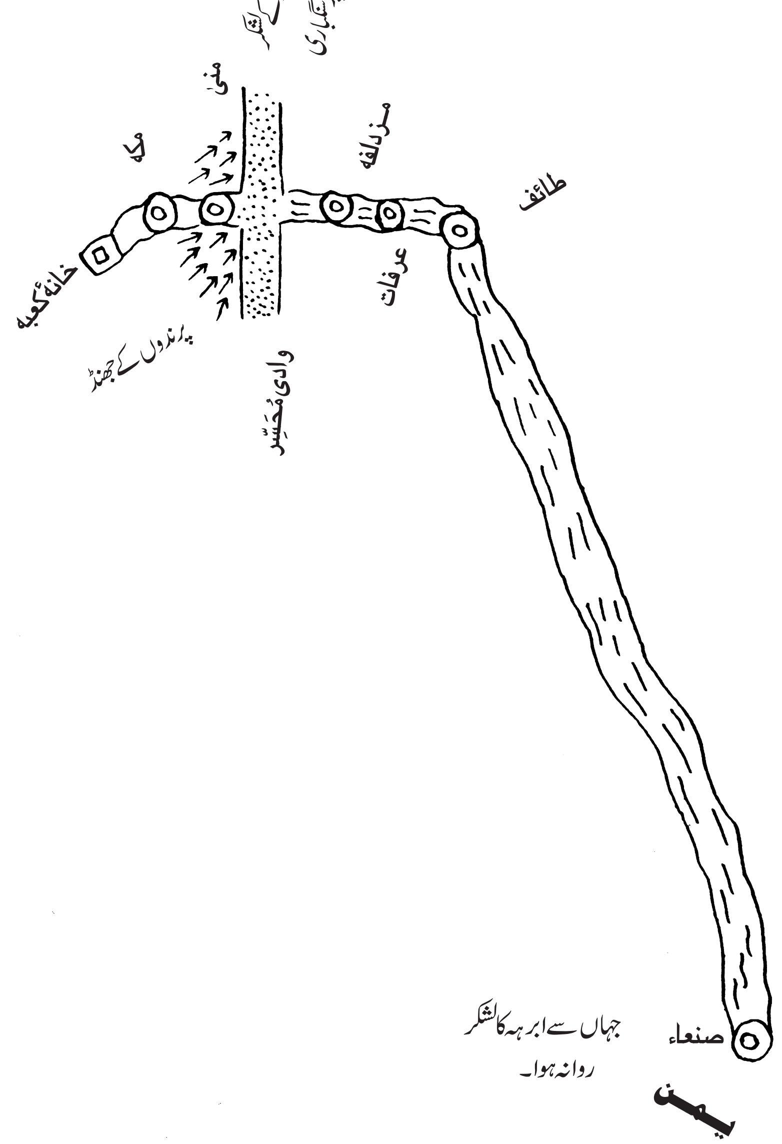

۱۰۶۔قریش

نام پہلی آیت میں ’’قریش‘‘ کا ذکر ہوا ہے اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ’’قریش‘‘ ہے۔

زمانۂ نزول اس سورہ میں رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ (اس گھر کا رب) کے الفاظ آئے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ سورہ مکی ہے، کیوں کہ خانۂ کعبہ کے لئے اشارۂ قریب (هٰذا) مکہ میں نازل ہونے کی صورت ہی میں موزوں ہوسکتا تھا۔

مرکزی مضمون مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۂ فیل کے بعد نازل ہوئی ہوگی۔قریش پر اللہ کا یہ حق ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں۔

نظم کلام آیت ۱ اور ۲ میں قریش کی اس اُلفت کو، جو ان کو اپنے تجارتی سفر سے تھی، قابلِ تعجب قرار دیا گیا ہے، اگرچہ انہیں یہ نعمت اللہ کے گھر کی بدولت حاصل تھی، مگر وہ اللہ کی ناشکری کر رہے تھے۔

آیت ۳ میں اس نعمت کا یہ تقاضا بیان کیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ ہی کی عبادت کریں۔

آیت ۴ میں بتایا گیا ہے کہ رزق اور امن اللہ ہی کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں۔لہٰذا اس کا اعتراف کرتے ہوئے صرف اسی کی عبادت کرنا چاہئے۔

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ﴿۱﴾

اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ﴿۲﴾

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۧ﴿۴﴾

۱۰۶۔ سُوْرَةُ الْقُرَيْشِ

آیات : ۴

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ کس قدر اُلفت ہے ۱؎ ، قریش کو، ۲؎

۲ (اور) ان کو جو اُلفت ہے سرما و گرما کے سفر سے۔ ۳؎

۳ لہٰذا ان کو چاہیئے کہ اس گھر ۴؎ ، کے رب کی عبادت کریں، ۵؎

۴ جس نے ان کو بھوک سے بچا کر کھانا کھلایا اور خوف سے بچا کر امن بخشا۔ ۶؎

۱۔ لِ (لام مجرور) یہاں تعجب کے معنی میں ہے جسے عربی میں لام تعجب کہتے ہیں۔ابن جریر طبری نے بھی اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔اس لئے ہم نے لِاِیلافِ کا ترجمہ ''کس قدر اُلفت ہے!'' کیا ہے۔

۲۔ قریش ایک قبیلہ کا نام ہے جس کے ہاتھ میں خانۂ کعبہ کی تولیت تھی۔حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو مکہ کی سرزمین میں بسایا تھا۔قریش ان ہی کی نسل سے ہیں۔اس قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کہلائی۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔

۳۔ مکہ کی زمین زراعت کے قابل نہیں تھی اس لئے قریش نے تجارت کو اپنا پیشہ بنالیا تھا۔چنانچہ ان کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن کا رخ کرتے اور گرمیوں میں شام و فلسطین کا۔ یہ تجارتی سفران کی معاش کا بہت بڑا ذریعہ اور ان کی دولت میں اضافہ کا باعث تھے۔وہ جن راہوں سے گذرتے تھے وہ اگرچہ بین الاقوامی شاہراہیں تھیں،لیکن عام بدامنی اور لوٹ مار کی وجہ سے محفوظ نہیں تھیں۔اس کے باوجود قریش کے کاروانِ تجارت بے خطر آیا جایا کرتے تھے۔کیوں کہ کعبہ کے متولی ہونے کی بنا پر لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔علاوہ ازیں انہوں نے ان ریاستوں کے بادشاہوں سے تجارتی مراعات حاصل کر لی تھیں کہ وہ بے روک ٹوک ان کے ملک میں آتے جاتے رہیں گے۔چنانچہ ہاشم نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہیں شام،روم،اور غسان کے بادشاہ سے، عبدشمس نے نجاشی سے،نوفل نے کسریٰ سے اور مُطّلِب نے حمیر (یمن) کے بادشاہ سے فرمان حاصل کر لئے تھے۔(البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۵۳)

اس طرح اللہ کے گھر کی بدولت ان پر رزق کی راہیں بھی کھل گئیں تھیں۔اور عام بدامنی کے باوجود ان کے لئے سفر بھی پُرامن ہو گیا تھا۔ان فوائد کی وجہ سے ان کو اپنے تجارتی سفروں سے الفت پیدا ہو گئی تھی۔چنانچہ وہ پابندی کے ساتھ موسمِ سرما میں یمن کا اور موسم گرما میں شام و فلسطین کا سفر کرتے۔ یمن کا علاقہ چونکہ گرم ہے اس لئے موسم سرما میں اس ملک کے سفر کو وہ ترجیح دیتے،اور شام و فلسطین کا علاقہ چونکہ سرد ہے اس لئے موسم گرما میں ان ممالک کے سفر کو وہ موزوں خیال کرتے۔

اس آیت میں ان کے تجارتی سفروں سے اُلفت اور وابستگی کو اس بنا پر قابلِ تعجب قرار دیا گیا ہے، کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے حق ناشناسی اور ناشکری کا ثبوت دے رہے ہیں، کیونکہ یہ نعمتیں انہیں حاصل ہو رہی ہیں خدا کے گھر کی بدولت،لیکن وہ خدا کے ہی حق کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔وہ کھاتے ہیں خدا کا دیا ہوا رزق مگر گن گاتے ہیں بتوں کے۔

۴۔ اس گھر سے مراد خانۂ کعبہ ہے۔

۵۔ قریش کو متوجہ کیا گیا ہے کہ جب تم اس گھر کو اللہ کا گھر مانتے ہو تو پھر تمہیں اس کا حق ادا کرنا چاہئے۔اور وہ حق یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کی عبادت کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔اس طرح اس گھر کی بدولت جو تجارتی فوائد تمہیں حاصل ہو رہے ہیں،اور جو آسودگی تمہیں میسر آرہی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس گھر کے رب کے شکر گذار بندے بن کر رہو اور ناشکری کا طریقہ اختیار نہ کرو۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر خدائے واحد کی عبادت کے لئے ہوئی تھی، پھر اس گھر کے متولیوں کیلئے خدا کی پرستش کے بجائے بتوں کی پرستش کے لئے جواز کہاں سے پیدا ہو گیا؟

۶۔ اس زمانہ میں عربوں کی معاشی حالت خستہ تھی،اور اس علاقہ کے جغرافیائی حالات ایسے تھے کہ غذائی اجناس کی بھی بڑی قلت تھی۔گویا یہ غربت اور فاقہ زدگی کا علاقہ تھا۔مزید برآں قبائلی سسٹم ہونے اور کسی مضبوط حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے بڑی بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔قتل و غارتگری اور لوٹ مار کے واقعات نے ان کی زندگی کا سکون چھین لیا تھا۔مگر قریش کی حالت معاشی لحاظ سے بھی بہتر تھی،اور امن وامان کے لحاظ سے بھی۔معاشی لحاظ سے

بہتر ہونے کی وجہ تو ان کے کامیاب تجارتی سفر تھے۔ رہا امن وامان تو انہیں شہر مکہ میں بھی حاصل تھا اور اس کے باہر بھی۔ مکہ میں امن وامان تو اس کے حرم ہونے کی بنا پر تھا، اور باہر نکلنے کے بعد اُن پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کوئی شخص یا قبیلہ یا حکومت، اسلئے نہیں کرتی تھی کہ وہ پاسبان حرم اور خادم حجاج سمجھے جاتے تھے۔ مختصر یہ کہ قریش کو یہ دونوں نعمتیں یعنی رزق اور امن جو انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں خدا ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہو رہی تھیں۔ اس لئے اس کا شکر اور حقِ بندگی اُن پر واجب تھا نہ کہ بتوں کا، جن کا نہ بھوک کو مٹانے میں کوئی دخل تھا اور نہ خوف کو دور کرنے میں۔

اس سورہ میں خدائے واحد کی عبادت کا مطالبہ اگرچہ کہ قریش سے کیا گیا ہے، لیکن درحقیقت یہ مطالبہ پوری انسانیت سے ہے کیوں کہ تمام انسانوں کا رب وہی ہے جو خانۂ کعبہ کا رب ہے۔

قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

سلسلۂ نسب (مختصرًا)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

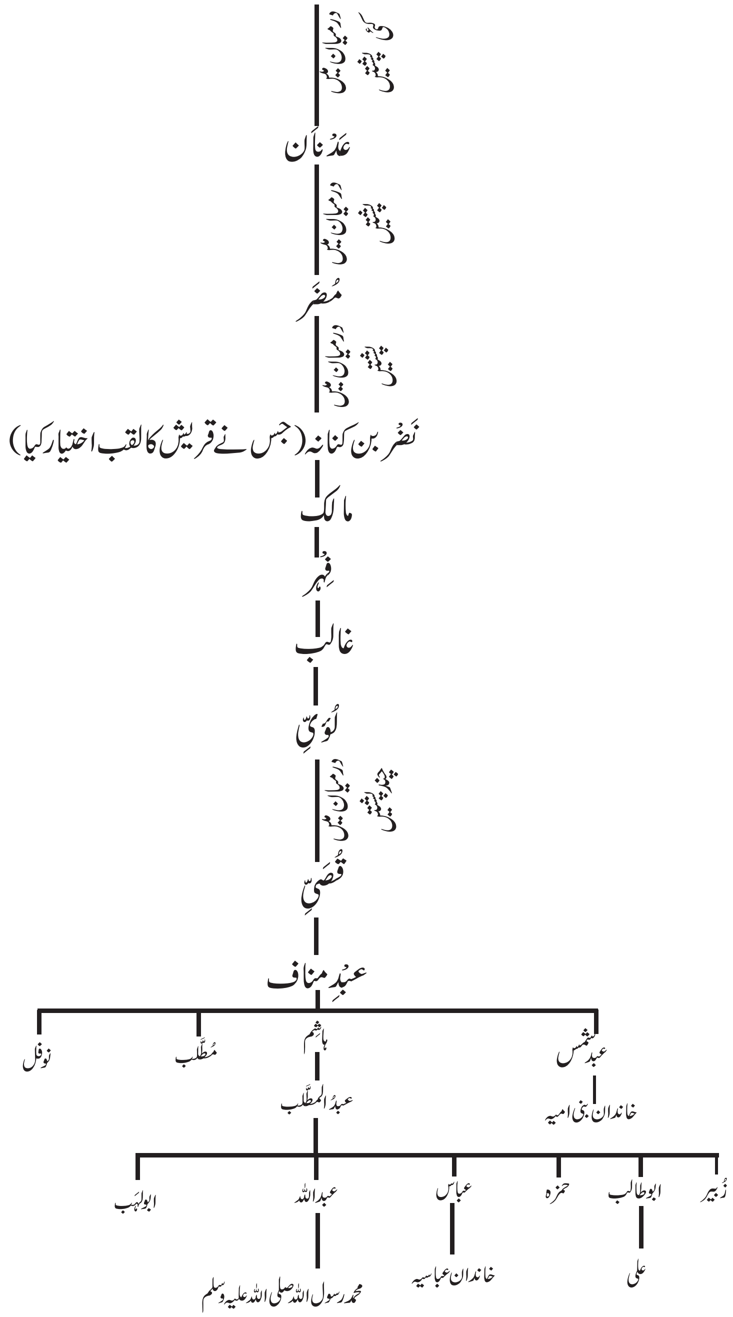

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج ا ص ۱، ۲، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، نیز البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۱۹۳، ۲۰۰، ۲۵۹)

سورۂ الماعون

۱۰۷۔ الماعون

نام آخری آیت میں ماعون (مال کا حق) ادا نہ کرنے پر وعید آئی ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''الماعون'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون اس کردار کو سامنے لانا ہے جو جزاوسزا سے انکار کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، تاکہ لوگ اس کے انجامِ بد سے خبردار ہوں۔

نظمِ کلام آیت ۱ میں اس شخص کے کردار پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے، جو جزاوسزا کا انکار کرتا ہے۔

آیت ۲ اور ۳ میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگ ہی سوسائٹی کے کمزور اور بدحال لوگوں کے ساتھ، غیر ہمدردانہ اور سنگدلانہ برتاؤ کرتے ہیں۔

آیت ۴ تا ۶ میں ان کی رسمی نماز کو بے حقیقت قرار دیا گیا ہے۔

آیت ۷ میں ان کے بخل کی خصلت پر گرفت کی گئی ہے۔

پس منظر پس منظر میں قریش کے وہ سردار ہیں، جنہیں اپنی مذہبیت اور خانۂ کعبہ کے متولی ہونے پر بڑا فخر تھا۔مگر اخلاق و عمل کے اعتبار سے انتہائی پستی کا شکار تھے، جس کی چند مثالیں اس سورہ میں پیش کی گئی ہیں۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ①

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ②

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ⑥

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦

۱۰۷۔ سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ

آیات: ۷

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ تم نے اس شخص کو دیکھا، جو جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے! ۱؎

۲ وہی ہے ۲؎، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، ۳؎

۳ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ ۴؎

۴ تو ایسی نماز پڑھنے والوں کے لئے تباہی ہے، ۵؎

۵ جو اپنی نماز سے غافل ہیں، ۶؎

۶ جو ریا کاری کرتے ہیں، ۷؎

۷ اور مال کا حق ادا نہیں کرتے۔ ۸؎

۱۔ یعنی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا، جو جزائے عمل کا منکر ہے کہ اس کا کردار کتنا پست اور اس کے مذہبی مراسم کتنے بے حقیقت ہیں! جو شخص بھی ایسے لوگوں کے حال پر غور کرے گا، اس کے اندر یہ احساس ضرور ابھرے گا کہ صحتِ کردار اور سچی دینداری کے لئے آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۲۔ یعنی منکرینِ آخرت میں جو اخلاقی و عملی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ان کا عکس اس کردار میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۳۔ یتیم کو دھکے دینے کے مفہوم میں اس کا مال کھانا، اس کا حق مارنا، اس کو جھڑکنا، اس کی تحقیر و تذلیل کرنا اور اس کو دھکے دے کر اپنے دروازے سے ہٹا دینا، سب شامل ہے۔

قرآن نے نہ صرف یتیموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی ہے، بلکہ ان کی قدر کرنے کی بھی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ سورۂ فجر میں فرمایا:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ۔ (الفجر۔۱۷)

''نہیں بلکہ تم یتیموں کی قدر نہیں کرتے۔''

یعنی یتیموں کی ناقدری ان لوگوں کا شیوہ ہے جو خدا کے حضور جوابدہی کا تصور نہیں رکھتے۔

۴۔ اس کی تشریح سورہ فجر نوٹ ۲۳ میں گزر چکی۔

واضح رہے کہ مسکین کو کھانا کھلانا بجائے خود نیکی کا کام ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم۔ اور یتیم کو دھکے دینا بہر صورت گناہ کا کام ہے، خواہ اس یتیم کا تعلق کسی بھی مذہب و ملت سے ہو۔

جس وقت یہ سورۂ نازل ہوئی ہے مکہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ لیکن جب انہیں مسکین کو کھانا کھلانے اور اس کی ترغیب دینے کا حکم دیا گیا، تو یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اسلام اپنے پیروؤں میں انسانی ہمدردی کا ایسا جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے، جس کا دائرۂ اثر پوری انسانیت کے لئے وسیع ہو اور جس کی بنا پر ہر مستحق کی مدد کی جاسکے۔

۵۔ یہاں نماز سے مراد خدا کی پرستش کی وہ شکل ہے جو مشرکین مکہ نے اختیار کی تھی۔ قرآن نے دوسری جگہ ان کی نماز کی ہیئت اور اس کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً۔ (الانفال۔۳۵)

''بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

یہ ان کی رسمی نماز تھی اور وہ بھی ایسی کہ جس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا تھا۔ جہاں تک نماز کی اصلیت کا تعلق ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اپنی اصل شکل میں قائم کیا تھا۔ اور اپنی اولاد کو بیت اللہ کے پاس اس لئے بسایا تھا، تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ سورۂ ابراہیم۔۳۷) اور حضرت اسمٰعیل اپنے گھر والوں کو اس کی تاکید کرتے رہے۔ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا۔ سورۂ مریم۔۵۵) لیکن بعد کے ادوار میں دین میں تحریف کرنے والوں نے نماز کی شکل بگاڑ دی، یہاں تک کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں نماز نام رہ گیا تھا، سیٹیاں اور تالیاں بجانے کا۔۔۔۔ اس کی مثال آج بھی مندروں میں دیکھی جاسکتی ہے، جہاں بُت پرست بھجن گا کر اور جھانج اور تالیاں بجا کر ناچتے ہوئے پوجا پاٹ کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اس سے خدا بھی خوش ہوتا ہے اور بُت بھی۔

یہاں مشرکین کی اسی نماز کو ان کی تباہی کا سبب قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ یہ وہ نماز نہیں ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ لوگوں نے اگر غیر سنجیدہ حرکتوں کا نام نماز یا عبادت رکھ لیا ہو، تو اس کا حقیقی نماز اور عبادت سے کیا واسطہ؟ یہ تو خدا کی عبادت نہیں بلکہ اس کا مذاق ہے۔ بعض مفسرین نے اس سورہ

کو مدنی قرار دیا ہے اور نماز سے منافقین کی نماز مراد لی ہے، لیکن جس سیاق وسباق (Context) میں نماز کا ذکر ہوا ہے اس کا تعلق منکرینِ آخرت سے ہے، جن کی اخلاقی خرابیوں کی نمایاں مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں سابق سورہ میں قریش کو خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے متصلاً بعد سورۂ ماعون کو رکھنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے پس منظر میں قریش کے سردار ہیں، جو مشرک بھی تھے اور آخرت کے منکر بھی۔ لہٰذا اس آیت میں جس نماز کا ذکر ہوا ہے وہ مشرکینِ مکہ اور خاص طور سے خانۂ کعبہ کے متولیوں کی نماز تھی۔ البتہ اس کے وسیع تر مفہوم میں منافقین کی نماز بھی شامل ہے، کیوں کہ ان کی نماز بھی محض نام کی نماز تھی۔ حقیقی نماز سے وہ غافل ہی تھے اور یہ بات صرف اُس دور کے منافقین پر چسپاں نہیں ہوتی، بلکہ ہر دور کے منافقین پر چسپاں ہوتی ہیں۔

٦۔ یعنی یہ لوگ اپنی حقیقی نماز سے غافل ہیں۔ حقیقی نماز یہ ہے کہ آدمی شرک سے بچتے ہوئے خالصۃً اللہ کے لئے نماز ادا کرے، اسی کی طرف متوجہ ہو اور اس کے حضور جوابدہی کا تصور رکھے۔ نیز اس عبادت کی جو ہیئت اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے اسی ہیئت کے ساتھ اسے ادا کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو نماز اپنے پیچھے چھوڑی تھی اس کی یہی خصوصیات تھیں اور اس میں قیام، رکوع اور سجدہ جیسے ارکان تھے، مگر مشرکین اس کی ظاہری اور باطنی دونوں خصوصیات کو کھو بیٹھے اور اس کو کھیل تماشا بنا کر رکھ دیا۔ اب جب کہ یہ پیغمبر صلوٰۃِ ابراہیمی کی تجدید کرنا چاہتا ہے تو یہ لوگ اس پر کان دھرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں اور اپنی اسی نام نہاد نماز ہی کو لئے بیٹھے ہیں۔

واضح رہے کہ آیت میں عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (وہ اپنی نماز سے غافل ہیں) فرمایا گیا ہے نہ کہ فِیْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (وہ اپنی نماز میں بھولتے ہیں)، کیوں کہ نماز میں بھول (سہو) تو اہلِ ایمان سے بھی ہو سکتی ہے، لیکن نماز سے غافل ہو جانا ان ہی لوگوں کا شیوہ ہے جو فکرِ آخرت سے آزاد ہیں۔

۷۔ یعنی ان کی نماز دکھاوے کی ہوتی ہے۔ خلوص سے بالکل خالی محض ریاکاری کی نماز تاکہ لوگ ان کو مذہبی سمجھیں۔

اللہ کی عبادت، حقِ بندگی سمجھ کر اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے کی جانی چاہئے لیکن ریاکاروں کی عبادت محض نمائشی ہوتی ہے، اور اس لئے ہوتی ہے تاکہ لوگوں سے داد حاصل کی جائے۔ اس لئے ایسی عبادت کرنے والے آخرت میں کسی اجر کے مستحق نہیں ہونگے، بلکہ اپنے اس گناہ کی وجہ سے سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔ ریاکاری کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیانات بھی بڑے مؤثر ہیں، جو بائبل میں منقول ہوئے ہیں۔ چنانچہ متّی کی انجیل میں ہے:

''خبردار اپنے راستبازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کرو۔۔۔۔ پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجوا، جیسا کہ ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی بڑائی کریں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے۔۔۔۔ اور جب تم دعا کرو تو ریاکاروں کی مانند نہ بنو، کیونکہ وہ عبادت خانوں میں اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہو کر دعا کرنا پسند کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو دیکھیں، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔'' (متی: باب ٦)

اور بنی اسرائیل کے علماء اور فقہاء کو جنہوں نے دین کے سلسلہ میں ظاہر داری اختیار کر رکھی تھی، اور جن کے اندر بدترین قسم کی ریاکاری پیدا ہو گئی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سخت جھنجوڑا :

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھے ہو اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہو۔ تمہیں زیادہ سزا ہوگی ۔۔۔۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔۔۔

۔۔۔۔۔ اے ریا کار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس ! کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں۔اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو،مگر باطن میں ریا کاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔(متی باب: ۲۳)

۸۔ یعنی یہ لوگ بڑے بخیل واقع ہوئے ہیں۔غریبوں اور مسکینوں کی امداد و اعانت میں جو مال صرف ہونا چاہئے اسے روکے رکھتے ہیں۔انہیں درحقیقت نہ خدا سے محبت ہے اور نہ اس کے بندوں سے ہمدردی، بلکہ اپنے مال سے محبت ہے اور اپنی دنیا بنانے ہی کی فکر ہے۔وہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اپنے کو خدا پرست ظاہر کر رہے ہیں،لیکن ان غرباء و مساکین کے ساتھ ان کا غیر ہمدردانہ رویّہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے خدا پرستی کے دعوے میں سچے نہیں ہیں، کیوں کہ سچی خدا پرستی انسان کو با اخلاق، کریم اور فیاض بناتی ہے۔

متن میں لفظ ماعون استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنیٰ فائدہ کی چیز کے ہیں۔اس کا اطلاق روزمرہ کے استعمال میں آنے والی چیزوں پر بھی ہوتا ہے اور مال پر بھی۔مفسرین نے عام طور سے معمولی اور عام ضرورت کی چیزیں مراد لی ہیں، جو ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو مستعار دیتا ہے اور جن کا نہ دینا باعثِ خِسّت سمجھا جاتا ہے۔اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی چیزیں دینے سے انکار کرنا اخلاقاً ذلت کی بات ہے۔لیکن یہاں جو وعید سُنائی گئی ہے وہ ظاہر ہے کسی بہت بڑے حق کے ادا نہ کرنے یا کسی بڑے گناہ کے ارتکاب ہی پر ہے، نیز سورہ کا مضمون بھی غرباء و مساکین کے حق سے متعلق ہے، اس لئے ماعون سے مال کا حق مراد لینا ہی قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔اس کی تائید زہری کے اس قول سے ہوتی ہے کہ ماعون قریش کی زبان میں مال کو کہتے ہیں (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۵۶) اور بعض حضرات نے اس سے مراد زکوٰۃ لی ہے۔لیکن حضرت ابن عمر کا قول اس کی بہترین تفسیر ہے۔ان سے جب ماعون کے بارے میں پوچھا گیا۔تو انہوں نے کہا المال الذی لا یؤدی حقه ''وہ مال جس کا حق ادا نہ کیا جائے''۔پوچھنے والے نے کہا کہ ابن مسعودؓ تو کہتے ہیں کہ اس سے مراد برتنے کی وہ چیزیں ہیں جو لوگ ایک دوسرے کو دیتے رہتے ہیں، تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا ماعون کا مطلب وہی ہے جو میں تم سے بیان کر رہا ہوں۔(فتح الباری ج ۸ ص ۵۹۴ بحوالہ طبری) اسی لئے ہم نے، یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کا ترجمہ ''مال کا حق ادا نہیں کرتے'' کیا ہے۔یہ بات قرآن میں دوسرے طریقہ سے بھی بیان ہوئی ہے مثلاً مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ (سورہ قلم۔۱۲) ''مال کو روکنے والا'' یعنی بخیل۔ واضح رہے کہ خیر کا لفظ عربی میں مال کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور منع کا لفظ روکنے، نیز بخل کرنے کے معنیٰ میں بھی۔

سورۂ الکوثر

۱۰۸۔ الکوثر

نام پہلی ہی آیت میں کوثر (خیر کثیر) کے عطا کئے جانے کی خوشخبری دی گئی ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''اَلْکَوْثَر'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے۔اور مضمون سے انداز ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہوگی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مخالفتوں کے طوفان سے گذر رہے تھے۔اور آپ کے دشمن آپ کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

مرکزی مضمون یہ سورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عظیم بشارت، اور آپ کے حق میں فضلِ خاص کا اعلان ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ میں آپ کو خیرِ کثیر عطا کئے جانے کی خوشخبری دی گئی ہے۔

آیت ۲ میں اس کے شکر کے طور پر، نماز اور قربانی کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آیت ۳ میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ آپ کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں، وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔البتہ اپنے آپ کو بہت بڑے خیر سے ضرور محروم کرلیں گے۔

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ①

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ②

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ③

۱۰۸۔ سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ

آیات: ۳

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

[۱] ہم نے ۱؎ تمہیں ۲؎ کوثر عطا کیا۔ ۳؎

[۲] پس تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ ۴؎

[۳] بے شک تمہارا دشمن ہی خیر سے محروم ہے۔ ۵؎

۱؎ یہ شاہانہ طرزِ کلام ہے جسمیں واحد کی جمع ضمیر اِنَّآ (ہم نے) استعمال کی گئی ہے۔ اور مقصود اس شان کا اظہار ہے جسکے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو، کوثر کا بابرکت عطیہ دربارِ خداوندی سے عنایت ہوا ہے۔

۲؎ خطاب براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

۳؎ کوثر کے معنی خیرِ کثیر کے ہیں۔(النہایۃ ج ۴ ص ۳۷، لسان العرب ج ۵ ص ۱۳۳) اور اسی مناسبت سے یہ جنت کی اس نہر کا نام ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں عطا کی جائیگی۔ مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس نے کوثر سے خیرِ کثیر مراد لیا ہے جس میں جنت کی نہر بھی شامل ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ:

عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ انہ قال فی الکوثر ھو الخیرُ الذی اعطاہُ اللہ اِیّاہ۔ قال ابو بشر قُلتُ لِسعید بن جُبیر فَاِنّ النّاس یَزْعَمُوْنَ اَنّہٗ نَھْرٌ فِی الجَنَّۃ۔ فَقَالَ سَعِیْدُ النَّھرِ الَّذِیْ فِی الْجَنَّۃِ مِنَ الْخَیرِ الَّذِی اَعْطَاہُ اللہُ اِیّاہ۔ (بخاری کتاب التفسیر)

''سعید بن جُبیر ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، کوثر وہ خیر ہے جو اللہ نے نبی ﷺ کو عطا فرمایا۔ ابو بشر (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جُبیر سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ وہ جنت کی ایک نہر ہے۔ سعید نے جواب دیا کہ جنت کی نہر اسی خیر میں سے ہے، جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔''

اسی طرح اس کے مفہوم میں وہ حوض بھی شامل ہے، جو قیامت کے دن میدانِ حشر میں آپ کو عطا کیا جائے گا، جس کا پانی آپؐ اپنے مخلص پیروؤں کو پلائیں گے۔ حدیث میں اس حوض پر بھی کوثر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس کی روایت ہے کہ آپؐ نے کوثر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

ھُوَ حوضٌ تَرِدُ عَلَیْہِ اُمَّتِی یَوْمَ القیامۃِ۔ ''وہ ایک حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری اُمت پہنچے گی۔'' (مسلم کتاب الصلاۃ)

گویا جس خیرِ کثیر سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے، اس میں یہ دو نعمتیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں، کیوں کہ یہ عظیم الشان اور گراں قدر ہونے کے علاوہ آپ کے مخصوص فضائل میں شامل ہیں۔ اور آیت کا اشارہ جس کو حدیث نبوی نے کھول دیا ہے خاص طور سے ان دو عطیاتِ خداوندی کی طرف ہے۔ اور جس بخشش کا وعدہ اللہ تعالیٰ فرمائے اس کا ملنا چونکہ یقینی ہے، اس لئے اس کو ماضی کے صیغہ میں اَعْطَینا (ہم نے عطا کیا) بیان فرمایا جو اس کی قطعیت کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ بہت بڑی بشارت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دی گئی، جب مشرکین مکہ آپؐ کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے آپؐ کو اذیت دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اس موقع پر یہ بشارت آپؐ کی تسلی کا باعث تھی، نیز اس سے مخالفین پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ تم جس ہستی کو اذیت پہنچا رہے ہو، وہ خدا کے نزدیک کیسی عظیم المرتبت ہستی ہے۔ جس پر خیر و برکت کی مسلسل بارش ہو رہی ہے۔ اور اس خیر و برکت کا ظہور کس طرح حوضِ کوثر اور نہر کوثر کی شکل میں ہونے والا ہے۔ اس کے باوجود اگر تم اس کی شان میں گستاخی کرنا چاہتے ہو تو کرو، آسمان کو، تو تم اس پر پھول نچھاور کرنے سے نہیں روک سکتے!

نہر کوثر اور حوضِ کوثر کے سلسلہ میں جو بہ کثرت صحیح اور صریح حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان سب کو بیان کرنا تو طوالت کا باعث ہوگا، اس لئے ہم چند حدیثیں ذیل میں نقل کرتے ہیں:

نہر کوثر کا مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر کرایا گیا تھا۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ:

''لَمَّا عُرِجَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وسلم اِلَی السَّمَاءِ قَالَ اَتَیتُ عَلٰی نَھرٍ حَافَتَاہُ قِبَابُ اللؤ لُو مُجَوَّف، فَقُلتُ ماھٰذا یَا جِبرِیْلُ؟

قَالَ ھٰذَا الْکَوْثَرُ۔ ''(بخاری کتاب التفسیر)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کے لئے آسمان پر تشریف لے گئے تو (وہاں جو کچھ مشاہدہ کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے) آپ نے فرمایا، میں ایک نہر پر آیا جس کے دونوں کناروں پر مجوف (اندر سے خالی) موتیوں کے قبے بنے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا جبریل یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کوثر ہے''

اور بخاری ہی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ھٰذا الکوثر الذی اعطاک رَبُّکَ

''یہ وہ کوثر ہے جو آپؐ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے۔'' (بخاری کتاب الرقاق)

اور عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْکَوْثَرُ نَھْرٌ فِی الْجَنَّۃِ حَافَتَاہُ مِنْ ذَھَبٍ وَ مَجْرَاہُ عَلَی الدُّرِّ وَالْیَاقُوتِ تُرْبَتُہٗ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْکِ وَ مَاؤُہٗ اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ وَ اَبْیَضُ مِنَ الثَّلْجِ۔

''کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں اور وہ موتیوں اور یاقوت پر بہتی ہے، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سفید ہے۔'' (ترمذی ابواب التفسیر)

اور حوض کوثر کے بارے میں حضرت سہل بن سعد کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّی فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَیَّ شَرِبَ وَ مَنْ شَرِبَ لَمْ یَظْمَأْ اَبَداً۔ (بخاری کتاب الرقاق)

''میں تم سے پہلے حوض پر پہنچوں گا۔ جو میرے پاس آئے گا اس کا پانی پیئے گا اور جو کوئی اس کا پانی پیئے گا اسے پھر کبھی پیاس محسوس نہ ہوگی۔''

عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

حَوْضِی مَسِیْرَۃُ شَھْرٍ مَاؤُہٗ اَبْیَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَ رِیْحُہٗ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْکِ وَ کِیْزَانُہٗ کَنُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْھَا فَلَا یَظْمَأُ اَبَداً۔

''میرے حوض کا طول (یا عرض) ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہوگا۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے بھی زیادہ عمدہ اور اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح بہ کثرت ہونگے، جو اس کا پانی پیئے گا اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔'' (بخاری کتاب الرقاق)

عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز منبر پر چڑھ کر فرمایا:

اِنِّی فَرَطٌ لَکُمْ وَ اَنَا شَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَ اِنِّی وَ اللہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْاٰنَ۔

''میں تم سے پہلے (حوض پر) پہنچنے والا ہوں اور تم پر گواہ ہوں گا۔ قسم بخدا میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔'' (مسلم کتاب الفضائل)

انس بن مالک کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیَرِدَنَّ عَلَیَّ الْحَوْضَ رِجَالٌ مِمَّنْ صَاحَبَنِی حَتّٰی اِذَا رَأَیْتُھُمْ وَ رُفِعُوْا اِلَیَّ اخْتُلِجُوْا دُوْنِی فَلَاَ قُوْلَنَّ اَیْ رَبِّ اُصَیْحَابِیْ اُصَیْحَابِیْ فَلَیُقَالَنَّ لِیْ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ۔

''میرے حوض پر کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جو میرے ساتھی رہے ہیں۔ میں جب انہیں دیکھ لوں گا اور وہ میرے پاس لائیں جائیں گے، تو انہیں میرے پاس سے ہٹا دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ اے رب یہ میرے ساتھی ہیں۔ یہ میرے ساتھی ہیں۔ لیکن مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا''۔ (مسلم کتاب الفضائل)

اس طرح کی بکثرت حدیثیں جوحوض کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ آپ کے اس حوض پر آپ کی اُمت وارد ہوگی۔ البتہ اس سے سیراب ہونے کا موقع ان ہی لوگوں کو دیا جائے گا۔ جو آپ کے مخلص پیرو ہوں گے، اور جنہوں نے آپ کے طریقہ (سنت) میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہوگی۔

۴۔ یعنی اس گراں قدر عطیہ سے نوازے جانے پر تم اپنے رب کا شکر ادا کرو اور اس کی شکر گذاری کا طریقہ نماز اور قربانی ہے۔ گویا یہ عبادتیں شکر کا بہترین مظہر ہیں اور خدا کے تقرب کا بہترین ذریعہ بھی۔ نبی ﷺ کو نماز سے جو شغف تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ آپ رات کو اٹھ کر دیر تک نماز میں مشغول رہتے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں متورم ہوجاتے۔ بعض صحابہ نے اس طرف توجہ دلائی تو آپ نے فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بن جاؤں (بخاری مسلم)

اسی طرح قربانی کے حکم کی تعمیل بھی آپ بڑی رغبت سے کرتے رہے۔ مدینہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا آپ کا معمول رہا اور حجۃ الوداع کے موقع پر تو آپ نے اپنے ہاتھ سے ۶۳ اونٹ ذبح کئے۔

متن میں لفظ وَانْحَرْ استعمال ہوا ہے جو اصلاً اونٹ کی قربانی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور یہاں اس سے مقصود ملت ابراہیمی کی طرف اشارہ کرنا ہے، جس میں اونٹ کی قربانی ایک شعار کے طور پر تھی۔ بخلاف اس کے یہود اونٹ کی قربانی کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس شعار کو زندہ کرنے کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لازماً اونٹ ہی کی قربانی کی جائے ورنہ قربانی نہیں ہوگی۔ بلکہ جیسا کہ آپ کے قول و عمل سے ثابت ہے کہ قربانی دوسرے جانوروں کی بھی کی جاسکتی ہے۔ اس لئے یہاں حکم کا اصل منشاء قربانی پر زور دینا ہے، خواہ وہ ان جانوروں میں سے کسی جانور کی ہو جن کی قربانی مشروع ہے۔ حدیث میں نحر کا لفظ گائے کی قربانی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رسولِ اللہ ﷺ عامَ الحُدَیْبِیَۃِ البَقَرَۃَ عَنْ سبعۃٍ و البدنۃ عن سبعۃٍ۔ (ترمذی ابواب الحج)

''جابر کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی۔ گائے سات افراد کی طرف سے اور اونٹ سات افراد کی طرف سے۔''

نماز اور قربانی کا جو حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے، وہ آپ کے توسط سے پوری امت کے لئے ہے۔ جس طرح یہ امت کوثر کے عطیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریک ہے، اور قیامت کے دن حوضِ کوثر سے فیض حاصل کرے گی۔ اسی طرح وہ نماز اور قربانی کے حکم میں بھی جو آپ کو دیا گیا ہے آپ کی شریک و سہیم ہے۔ موقع و محل کے لحاظ سے اس حکم کا یہ پہلو بھی یہاں واضح ہو رہا ہے کہ سورۂ ماعون میں مشرکین کی جس نماز کو بے حقیقت قرار دیا گیا ہے، اس کے مقابلہ میں تمہاری نماز خالصۃً اللہ کے لئے ہونی چاہئے، جیسا کہ دوسری جگہ زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ (الانعام ۔ ۱۶۲)

''کہو میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔''

۵۔ یہ ان مشرکین کی ان گستاخیوں کے جواب میں ہے جو آپ کی شان میں وہ کرتے تھے۔ وہ توہین آمیز کلمات کے ساتھ آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ آپ کا تعلق شرک اور بُت پرستی کی مخالفت کی وجہ سے قوم سے منقطع ہوگیا ہے۔ قریش کو دنیا میں جو قوت و اقتدار اور عزت و سرفرازی حاصل ہے، اس سے آپ بالکل محروم ہوگئے ہیں اور اب آپ کی حیثیت ایک بے یار و مددگار شخص کی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے خیرِ کثیر سے نوازا ہے۔ البتہ آپ کے مخالفین ہر طرح کے خیر سے محروم ہیں اور ابد تک ان کے لئے محرومی لکھ دی گئی ہے۔

یہ درحقیقت ایک پیشین گوئی تھی جو بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ دشمنان رسول اس طرح ذلیل وخوار اور تباہ وبرباد ہوئے کہ ان کا نام ونشان بالکل مٹ گیا۔ اور اللہ کے رسول کو ایسی عزت وسرفرازی حاصل ہوئی کہ کروڑہا لوگ آپ پر درودوسلام بھیجتے ہیں اور قیامت تک بھیجتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ اس پیشین گوئی کا تعلق صرف اُس زمانہ کے دشمنان رسول ہی سے نہیں تھا، بلکہ ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے دشمنانِ رسول سے ہے۔ جو بھی آپ کی شان میں گستاخی کرے گا یا آپ کی مخالفت کرے گا اس کے لئے خیر سے محرومی مقدر ہے اور وہ ذلیل ہو کر رہے گا۔

۱۰۹۔الکٰفرون

نام پہلی آیت میں الکافرون (کافرو!) کا لفظ آیا ہے،اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''اَلْکَافِرُوْنَ'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے۔اور مضمون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مکہ کے آخری دور کی تنزیل ہے۔

مرکزی مضمون غیراللہ کی پرستش سے بیزاری،اور کفار کے دین سے قطعی بے تعلقی کا اظہار واعلان ہے۔

نظم کلام آیت ۱ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی ہے کہ کافروں کو مخاطب کر کے دوٹوک الفاظ میں اعلان کردو۔

آیت ۲ اور ۳ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ پرستش کے معاملہ میں، میرا موقف کیا ہے اور تمہارا کیا۔

آیت ۴ اور ۵ میں یہ اعلان کہ پرستش کے معاملہ میں کسی قسم کی رواداری برتنے، یا کسی بھی مصالحتی فارمولے کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آیت ۶ میں کفّار کے دین سے اظہارِ برأت ہے۔

حدیث حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں، نیز حجۃ الوداع کے موقع پر طواف کی دو رکعتوں میں سورۂ قُلْ یٰاَ یُّھَاالْکٰفِرُوْنَ اور سورۂ قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ پڑھی تھیں۔

(مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین بروایت ابوھریرۃ اور کتاب الحج بروایت جابر بن عبداللہ)

سُوْرَةُ الْكَافِرُوْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ﴿۱﴾

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲﴾

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ﴿۳﴾

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ﴿۴﴾

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۭ﴿۵﴾

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۧ﴿۶﴾

۱۰۹۔ سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ

آیات: ۶

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ کہہ دو، اے اے کافرو ! ۲ے

۲ میں اُن کی پرستش نہیں کرتا، جن کی پرستش تم کرتے ہو، ۳ے

۳ اور نہ تم اُس کی پرستش کرتے ہو، جس کی پرستش میں کرتا ہوں۔ ۴ے

۴ اور نہ میں اُن کی پرستش کرنے والا ہوں، جن کی پرستش تم نے کی، ۵ے

۵ اور نہ تم اُس کی پرستش کرنے والے ہو، جس کی پرستش میں کرتا ہوں۔ ۶ے

۶ تمہارے لئے تمہارا دین، اور میرے لئے میرا دین۔ ۷ے

۱۔ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

۲۔ مخاطب وہ لوگ ہیں جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حق اچھی طرح واضح ہو چکا تھا، اور اس کے باوجود وہ کفر پر جمے رہے۔

کافر کے لفظی معنیٰ انکار کرنے والے کے ہیں، اور قرآن کی اصطلاح میں کفر، ایمان کے مقابل کا لفظ ہے۔ اور کافر سے مراد وہ شخص ہے، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنے سے انکار کردے۔ اس دین کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ جو شخص غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے خواہ وہ بت پرستی کی شکل میں ہو، یا بھومی پوجا کی شکل میں، اور خواہ وہ دیوی دیوتاؤں کو مدد کے لئے پکارتا ہو، یا کسی فرضی خدا کے بھجن گاتا ہو، کھلا ہوا شرک ہے۔ اور جو مذہب بھی اس شرک کی اجازت دیتا ہے۔ وہ مشرکانہ مذہب ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے کہ اس شرک کی جڑ کاٹ دیں، اور انسان کو خدائے واحد کا پرستار بننے کی دعوت دیں۔

یہ دعوت آپ نے دلائل وشواہد کے ساتھ پیش فرمائی، اور فہمائش کا بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کیا۔ یہ دعوتی جدوجہد ایک عرصہ تک جاری رہی، یہاں تک کہ حق اچھی طرح واضح ہو گیا اور اللہ کی حجت اس کے بندوں پر قائم ہو گئی۔ دعوت کے اس مرحلہ میں داخل ہونے کے بعد، جو لوگ کفر پر بضد ہوئے اور رسول کی مخالفت اور دشمنی پر اتر آئے۔ ان سے اے کافرو! کہہ کر خطاب کیا گیا جو بالکل برمحل تھا۔ لیکن اس سے مقصود مخالفین کو بُرا بھلا کہنا نہیں تھا بلکہ ان کے منکرِ حق ہونے کا برملا اظہار کرنا تھا، تاکہ واضح ہو جائے کہ خدا کی حجت ان پر قائم ہو چکی ہے۔ اور ان کے کفر کی پاداش میں غضب الٰہی ان پر ٹوٹنے والا ہے۔ یہ بات اگرچہ کفار مکہ پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے، اور وہی اس کے مخاطب اول تھے، لیکن اصولی طور پر یہ بات ان لوگوں پر بھی منطبق ہوتی ہے، جو کفار مکہ کی سی ہٹ دھرمی اختیار کریں۔ اور مدعا یہ ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے کافروں پر اللہ کی حجت برابر قائم ہوتی رہے۔ نیز اس کے ذریعہ مسلمانوں کو بھی یہ سبق دینا مقصود ہے کہ کافروں کی راہ الگ اور اہل ایمان کی راہ الگ ہے۔ اور دونوں کے درمیان ایسی وسیع خلیج حائل ہے کہ وہ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر ہرگز معاملہ نہیں کر سکتے۔

۳۔ مراد بت ہیں جن کی پوجا مشرکین مکہ کرتے تھے۔ نیز وہ تمام معبود بھی جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر پرستش کیا کرتے تھے۔

پرستش کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے موقف کو واضح کرنے کا حکم دوسری سورتوں میں بھی دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ یونس میں فرمایا:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَ لٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ۔

"کہو اے لوگو۔ اگر تم میرے دین کے معاملہ میں شک میں ہو تو سُن لو کہ میں ان کی پرستش نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو بلکہ صرف اللہ کی پرستش کرتا ہوں جو تمہاری روح قبض کرتا ہے۔" (یونس ۔ ۱۰۴)

۴۔ مشرکین مکہ خدا کے قائل تھے اور اس کی پرستش سے بھی انہیں انکار نہیں تھا۔ لیکن وہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ بتوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش کی جائے۔ وہ اگر خدا کی پرستش کرتے تھے تو وہ شرک کے ساتھ ہوتی تھی۔ اسلئے ان پر واضح کیا گیا کہ نہ یہ خدا کی پرستش ہے اور نہ ہی تم خدا کے پرستار ہو۔ خدا کی پرستش کے ساتھ کوئی اور پرستش جمع ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے اگر تمہارا گمان یہ ہے کہ تم بھی خدا کے پرستار ہو، تو یہ تمہاری خام خیالی ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

۵۔ مشرکین چاہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بتوں کی پرستش کریں، تاکہ مصالحت کی کوئی شکل پیدا ہو۔ سورۂ زمر میں ان کے اس مطالبہ کا جواب بڑے سخت انداز میں دیا گیا ہے۔ فرمایا:

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّیْ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجَاهِلُوْنَ ط۔(الزمر-۶۴)

''کہو اے جاہلو! پھر کیا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش کروں ؟ ''

اور یہاں بھی انہیں سخت مایوس کن جواب دیا گیا ہے، تاکہ وہ اس سلسلہ میں سمجھوتہ کی کوئی امید نہ رکھیں۔

آیت ۲ اور آیت ۴ میں تکرار نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے فرق ہے کہ آیت ۲ میں حال سے متعلق آپ نے اپنا موقف واضح کر دیا ہے۔اور آیت ۴ میں آئندہ کے لئے اپنے مؤقف اور اپنے عزم کا اظہار ہے۔مطلب یہ ہے کہ نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ مجھ سے یہ آئندہ کے لئے توقع کی جاسکتی ہے کہ میں اس معاملہ میں کوئی نرمی یا لچک پیدا کروں گا۔ میں حتمی طور پر ہمیشہ کے لئے تمہارے معبودوں سے اپنی بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔

۶۔ یعنی تمہاری ہٹ دھرمی کی بنا پر تم سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ تم ،اپنے معبودوں کو چھوڑ کر میرے معبود کی عبادت کرنے والے بن جاؤ گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کفار میں سے آئندہ کسی کے بھی ایمان لانے کا کوئی امکان باقی ہی نہیں رہا، کیوں کہ ان میں ایسے بھی تھے جو بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ تمہارے اندر میرے معبود کی پرستش کے لئے کوئی آمادگی نہیں پائی جاتی ،اور تم اپنے بتوں ہی کے پجاری بن کے رہنا چاہتے ہو اس لئے میں تم سے اعلان برأت کرتا ہوں جب تک کہ تم اپنے اس کافرانہ اور مشرکانہ رویہ سے باز نہ آجاؤ۔لیکن ان میں جو ہٹ دھرم تھے وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں تھے اور یہاں خطاب ایسے ہی کافروں سے ہے، مثال کے طور پر ابولہب اور ابوجہل جو آخر وقت تک ایمان نہیں لائے۔

۷۔ یعنی پرستش کے معاملہ میں جو خدا سے تعلق کی اصل بنیاد ہے، جب میرے اور تمہارے درمیان کوئی اشتراک نہیں ہے، تو دونوں کا دین ایک کس طرح ہوسکتا ہے۔اور سمجھوتہ اور رواداری کا سوال پیدا ہی کہاں ہوتا ہے۔اگر تم میری دعوت قبول کرنا نہیں چاہتے تو تم اپنے موقف پر رہو، اور میں اپنے موقف پر قائم ہوں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی سورہ یونس میں فرمائی گئی ہے:

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔(یونس-۴۱)

''اور اگر یہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو کہہ دو کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ میں جو کچھ کرتا ہوں اس سے تم بَری ہو اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے میں بَری ہوں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی بے باکی کے ساتھ اپنی قوم سے اعلان برأت کیا تھا، جس کو قرآن نے اہل ایمان کیلئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ۔(الممتحنہ-۴)

''تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان سے بالکل بَری ہیں۔ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور نفرت ہوگئی، جب تک کہ تم اللہ واحدہٗ پر ایمان نہ لے آؤ''

غرضیکہ یہ آیت کفار کے رویہ سے بیزاری اور ان کے دین سے بے تعلقی کا اعلان ہے۔اس لئے اس کو رواداری کے مفہوم میں لینا اور اس سے استدلال کرتے ہوئے مشرکانہ مذاہب کے لئے نرم گوشہ پیدا کرنا بالکل ایسا ہی ہے، جیسے سیاہ کو سفید سمجھ لینا یا رات کو دن ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔

آج کل مذہبی رواداری کے نام پر وحدتِ ادیان (سب مذہب یکساں ہیں ان میں حق و باطل کا کوئی امتیاز نہیں) کے نظریہ کو بڑے دلفریب انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔اس کا پرچار کرنے والے چاہتے ہیں کہ خدا کو بتوں کی صف میں بٹھائیں (تعالیٰ اللّٰہ عَمَّا یُشْرِکُونَ) اور شرک اور توحید کا معجون مرکب تیار کریں۔یہ لوگ اپنا شوق تو پورا کر سکتے ہیں لیکن حق کو باطل کے ساتھ ہرگز نہیں جمع کر سکتے۔جس طرح دن اور رات دونوں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح حق و باطل کو جمع کرنے کی کوشش بھی فضول ہے اور جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس کی یہ سورہ ہی اس نظریہ کو باطل قرار دینے کے لئے کافی ہے۔اس لئے جو لوگ اسلام اور کفر کا ملغوبہ تیار کرنا چاہتے ہیں، وہ ہرگز یہ توقع نہ رکھیں کہ انہیں قرآن کی تائید حاصل ہو سکے گی۔

سورۂ النصر

۱۱۰۔النصر

نام پہلی آیت میں نَصْر (نُصْرَتِ الٰھی) کے آنے کا ذکر ہوا ہے، جس کی مناسبت سے اس سورہ کا نام ''اَلنَّصْر '' ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر نازل ہونے والی یہ آخری سورہ ہے۔(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۶۱ بحوالۂ نسائی) سورہ کے مضمون سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ نیز جیسا کہ ابن عباس کا بیان ہے، اس سورہ میں یہ اشارہ موجود ہے کہ نبی ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے ابن عباس سے کہا کہ تم اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی ہے کہ جب اللہ کی نصرت اور فتح آ گئی، تو آپ کا وقت آن پورا ہوا، لہٰذا آپ اللہ کی حمد و تسبیح اور استغفار کریں۔ حضرت عمر نے فرمایا میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ (بخاری کتاب التفسیر) معلوم ہوا کہ یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی، جب آپ کی وفات کا وقت بالکل قریب آ گیا تھا۔

مرکزی مضمون نصرتِ الٰہی اور غلبۂ دین کے ظہور پر، بارگاہِ خداوندی میں نذرانۂ شکر پیش کرنا، یعنی حمد و تسبیح اور استغفار کرنا۔

نظمِ کلام آیت ۱ میں اللہ کی نصرت اور اس کی طرف سے ظاہر ہونے والی فتح ۔۔۔ فتح مکہ ۔۔۔ کا ذکر ہے۔

آیت ۲ میں لوگوں کے اجتماعی شکل میں حلقہ بگوش اسلام ہونے کا ذکر ہے۔

آیت ۳ میں اس فضل کے حاصل ہونے پر خدا کی مزید حمد و تسبیح اور استغفار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

سُوْرَةُ النَّصْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ ①

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ ②

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۧ ③

۱۱۰- سُوْرَةُ النَّصْرِ

آیات:۳

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ جب اللہ کی مدد اور فتح آ گئی، ۱ے

۲ اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ، اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں، ۲ے

۳ تو تسبیح کرو اپنے رب کی حمد کے ساتھ ۳ے۔ اور اس سے مغفرت مانگو ۴ے۔ یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ ۵ے

۱۔ نَصر (مدد) سے مراد وہ نُصرت ہے جس کا ظہور غلبۂ حق کی شکل میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ لازماً، ان کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی مدد فرمائے گا۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ۔ (المؤمن۔ ۵۱)

''یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان لانے والوں کی اس دُنیا میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اس دن بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔''

اس مدد کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوتا ہے، جب حق و باطل کی کشمکش آخری مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور یہی وہ مدد ہے جس کا انتظار رسول کے ساتھیوں کو ہوتا ہے۔

مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ۔ (البقرہ۔ ۲۱۴)

''کب آئے گی اللہ کی مدد؟ یقین جانو! اللہ کی مدد قریب ہے۔''

اور اسی مدد کو سورہ فتح میں نَصْرًا عَزِیْزًا (زبردست نصرت) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے جو ایک فیصلہ کن فتح تھی، اور جس کے بعد مشرکین کا زور ٹوٹ گیا، اور عرب میں اسلام کو مکمل غلبہ حاصل ہوا۔

فتح مکہ کا واقعہ رمضان ۸ھ (جنوری ۶۳۰ء) کا ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دس ہزار جانباز ساتھیوں کو لے کر مدینہ سے روانہ ہو گئے تھے۔ مکہ میں آپ بغیر کسی قابل ذکر مزاحمت کے داخل ہوئے۔ اور اعلان فرمایا کہ جو شخص بھی ہتھیار ڈال دے گا اس کو امن دیا جائے گا۔ جو لوگ اسلام دشمنی میں پیش پیش رہے تھے، ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور سے معاف کر دیا۔ اس موقع پر کتنے ہی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ خانۂ کعبہ میں جو ایک بت شکن رسول ۔۔۔ حضرت ابراہیم ۔۔۔ کا تعمیر کردہ تھا، قریش نے اس میں ۳۶۰ بت بٹھائے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نجاست سے خانۂ کعبہ کو پاک کیا۔ بتوں کو لکڑی سے گراتے جاتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے:

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا۔ (بنی اسرائیل: ۸۱)

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کیلئے تھا۔''

ان بتوں میں سب سے بڑا بت ہبل تھا۔ بت پرست جنگ کے موقعہ پر اسی کی جے پکارتے تھے لیکن، آج وہ خود ڈھیر ہو گیا تھا۔ شکست سے دو چار ہونے والوں کی وہ کیا مدد کرتا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتحیابی پر نمازِ شکر، ادا کی اور صدائے تکبیر بلند کرتے ہوئے یہ حقیقت افروز اعلان فرمایا:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَ ھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ (ابوداؤد کتاب الدیات)

''اللہ جس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔''

واضح رہے کہ عربی میں اِذَا عام طور سے مستقبل کے لئے آتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ماضی کے لئے بھی آتا ہے۔ اور یہاں قرینہ نیز، حضرت ابن عباس کا مذکورہ بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ماضی کے مفہوم میں ہے، اس لئے ہم نے آیت کا ترجمہ ''جب اللہ کی مدد اور فتح آ گئی۔'' کیا ہے، جب کہ عام طور پر اس کا ترجمہ ''جب اللہ کی مدد اور اس کی فتح آئے'' یا ''آئے گی'' کیا جاتا ہے۔

۲۔ فتح مکہ کا اثر قریش تک محدود نہیں رہا، بلکہ عرب کے مختلف علاقوں میں جو قبائل آباد تھے، ان پر اس کے زبردست اثرات پڑے۔ ان قبائل کے نمائندے وفود کی شکل میں مدینہ آنا شروع ہوئے اور ۹ھ اور ۱۰ھ میں، بہ کثرت وفود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قبولِ اسلام کا اعلان

کیا۔ اور اجتماعی شکل میں لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ جس دین کے لئے قریش اکیس سال تک رکاوٹیں پیدا کرتے رہے، وہ دو سال کے اندر عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا۔ یہاں تک کہ اس سرزمین پر کوئی مشرک باقی نہ رہا۔ گویا فتح مکہ اس زبردست انقلاب کی تمہید تھی۔

۳۔ یعنی غلبۂ دین اور لوگوں کے قبول اسلام کا یہ روح پرور منظر جو آپ نے دیکھا، نصرت الٰہی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اس فضل کے حاصل ہو جانے پر اے نبی آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور چونکہ آپ کی بعثت کا مقصد پورا ہو گیا ہے، اس لئے آپ کو خدا کی حمد و تسبیح میں زیادہ مشغول ہو جانا چاہئے۔

اس سے یہ اہم حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اہل ایمان کا اصل نصب العین خدا کو پانا ہے، اور اس کے لئے اپنی آخری سانس تک سعی و عمل کرنا ہے۔ غلبۂ دین کی جدوجہد کے مرحلہ میں بھی اور اس کی تکمیل کے بعد بھی۔

۴۔ یعنی تمہیں خدا سے یہ دعا کرنا چاہئے کہ اس خدمت کو انجام دینے میں، جو کوتاہیاں ہوئی ہوں اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں، جو بھول چوک ہوئی ہو اُسے وہ معاف فرمائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دے کر، اہل ایمان کی رہنمائی اس بات کی طرف کی گئی ہے کہ وہ کسی بھی خدمت کے انجام پانے، یا کسی فتح و کامرانی کے حاصل ہو جانے پر، دنیا دار لوگوں کی طرح اترانے اور فخر کرنے کے بجائے اسے اللہ کے فضل اور اس کی توفیق کا نتیجہ سمجھیں، اور اُس کی حمد و تسبیح کریں کہ تعریف کا مستحق وہی ہے، نیز اس احساس کے ساتھ کہ معلوم نہیں، اس خدمت کے انجام دینے میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئی ہوں گی، اپنے رب سے نہایت عاجزی کے ساتھ معافی کے خواستگار ہوں۔ ایسے موقع پر اہل ایمان کا رویہ یہی ہونا چاہئے، اور انہیں ان طور طریقوں سے احتراز کرنا چاہئے، جو ان کے اندر احساس بندگی کے بجائے احساس برتری پیدا کرنے والے ہوں۔

ایسی عظیم فتح اور ایسا زبردست غلبہ حاصل ہو جانے کے بعد قرآن نے جشن منانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ بارگاہ خداوندی میں شکر و بندگی کا نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا، جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ اعلیٰ تعلیم وحی الٰہی ہے، اور اس کو پیش کرنے والی شخصیت پیغمبرِ خدا ہی کی شخصیت ہو سکتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو مرتبہ استغفار پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم کتاب الذکر) نیز بخاری کی حدیث میں ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپ رکوع و سجود میں بہ کثرت یہ پڑھا کرتے تھے۔

سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغفِرلِیْ۔ ''پاکی تیرے ہی لئے ہے اے اللہ ہمارے رب! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ خدایا میری مغفرت فرما۔

(بخاری کتاب التفسیر)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی صفت توَّاب (بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا) بیان ہوئی ہے، جو منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں کو لئے ہوئے ہے۔ منفی پہلو کے لحاظ سے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ اس سے معافی مانگے اور توبہ کرے، تو وہ اس کو معاف کر دیتا ہے اور اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اور مثبت پہلو کے لحاظ سے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جب اس کی طرف رجوع کرتا ہے، تو وہ بندہ کی طرف اپنی مہربانیوں کے ساتھ متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہاں اس صفت کا ذکر اس مفہوم میں ہے کہ تم امید رکھو کہ وہ نہ صرف تمہاری معافی کی درخواست (استغفار) قبول فرمائے گا، بلکہ تم پر اپنی نظرِ عنایت بھی فرمائے گا اور اپنی مہربانیوں کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ رہے گا۔

۱۱۱۔ اللھب

نام آیت ۳ میں لھب کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ شعلہ کے ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "اَللَّھَبْ" ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہوگی۔ کیوں کہ اس میں ابولہب کا نام لیکر اس کا انجامِ بد بیان کیا گیا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کسی کا انجام بد اس پر حجت قائم کرنے کے بعد ہی بیان کرتے ہیں۔ اس لئے یہ سورہ، سورۂ کافرون کے بعد ہی نازل ہوئی ہوگی۔ جس میں کافروں سے اعلانِ برأت کیا گیا ہے۔

مرکزی مضمون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کے انجامِ بد سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے، تاکہ قیامت تک پیدا ہونے والے دشمنانِ رسول اور مخالفینِ اسلام اس سورہ کے آئینہ میں اپنا عکس دیکھ لیں۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۳ میں دشمنِ رسول ابولہب کا دردناک انجام بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۴ اور ۵ میں اس کی بیوی کے عبرتناک انجام کا منظر پیش کیا گیا ہے، جو اس دشمنی میں اپنے شوہر کی ہمنوا اور شریکِ کار تھی۔

سُوۡرَۃُ اللَّھَبِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ﴿۱﴾

مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ﴿۲﴾

سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ﴿۳﴾

وَّ امۡرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ ﴿۴﴾

فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ﴿۵﴾

۱۱۱۔ سُوۡرَۃُ اللَّھَبِ

آیات: ۵

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ ٹوٹ گئے ابولہب ا کے دونوں ہاتھ ۲ اور وہ تباہ ہو گیا۔ ۳

۲ اس کا مال اور اس کی کمائی اس کے کچھ کام نہ آئی۔ ۴

۳ وہ عنقریب شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا۔ ۵

۴ اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھائے ہوئے ہوگی۔ ۶

۵ اس کی گردن میں مضبوط رسی ہوگی۔ ۷

۱۔ ابولہب کنیت ہے۔اصل نام عبدُ العزّیٰ تھا۔جس کے معنیٰ ہیں عزیٰ دیوی کا بندہ۔چونکہ یہ مشرکانہ نام تھا اس لئے قرآن نے اس کا ذکر اس کے مکروہ نام سے کرنے کے بجائے اس کی کنیت سے کیا۔ابولہب قریش کے خاندان، بنی ہاشم، کا رکن رکین، عبدالمطلب کا بیٹا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔جن وجوہ سے اس کی زندگی میں اس کی قسمت کا فیصلہ چکا یا گیا، اور اس کے انجام سے باخبر کرنے کیلئے ایک مکمل سورہ نازل کی گئی وہ مختصراً درج ذیل ہیں:۔

اولاً: ابولہب خانۂ کعبہ کا متولی تھا اور خدا کے گھر کو بت کدہ بنائے رکھنے پر اصرار، نیز بت پرستی میں اس کا انہماک اس کا سب سے بڑا اور سنگین جرم تھا۔

ثانیاً: جو جاہ و منصب اس کو حاصل تھا اس نے اس کے اندر غرور و تکبر پیدا کر دیا تھا۔اور سرکشی و بغاوت کا رویہ اختیار کر کے وہ فرعون کے مقام پر جا بیٹھا تھا۔

ثالثاً: دعوت اسلامی کی مخالفت کا آغاز اسی نے کیا تھا۔اس لئے امامتِ کفر اس کا مقدر بن گئی۔

رابعاً: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کٹر دشمن تھا، اور اس دشمنی میں اس نے تمام اخلاقی حدود کو پھاند ڈالا تھا۔یہاں تک کہ رشتۂ رحم کو کاٹنے میں وہ سب سے آگے نکل گیا۔اس کی واضح مثال اس کا وہ طرزِ عمل ہے، جو اس نے آپ کے معاشرتی اور معاشی بائیکاٹ کے سلسلہ میں اختیار کیا۔قریش کے بائیکاٹ کرنے پر جب آپ نے شعب ابی طالب میں پناہ لی، تو ابولہب نے کفارِ قریش کا ساتھ دیا اور اسے اپنے بھتیجے پر اس وقت بھی رحم نہیں آیا جب وہ فاقہ کے دن گذار رہا تھا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۷۲)

خامساً: وہ زندگی بھر اسلام کی راہ کا کانٹا بنا رہا۔اور توحید کی مخالفت میں سب سے زیادہ سرگرم رہا۔چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام قبائلِ عرب کے سامنے اپنی دعوت پیش کی، تو ابولہب اس سے لوگوں کو متنفر کرتا رہا۔ربیعہ بن عباد کا بیان ہے کہ میں نے ذوالمجاز کے بازار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ لوگو! ''لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کہو فلاح پاؤ گے۔'' اور آپ کے پیچھے پیچھے ایک شخص کہتا جاتا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اس کی بات نہ مانو۔میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ ان کا چچا ابولہب ہے۔(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۶۴ بحوالہ احمد)

سادساً: بخل اور زر پرستی میں وہ اپنے زمانہ کا قارون تھا۔

سابعاً: اس کو اپنے خداؤں پر بڑا ناز تھا۔چنانچہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیکاٹ میں قریش کا ساتھ دیتے ہوئے ہند بن عتبہ سے کہا تھا ''جس شخص نے لات و عُزّیٰ کو چھوڑ دیا ہے، اس کو چھوڑ کر کیا میں نے ان خداؤں کی مدد نہیں کی؟ ہند نے کہا ''ہاں اور اللہ تجھے جزائے خیر دے'' (سیرت ابن ہاشم ج ۱ ص ۳۷۲)

ابولہب کے انجام کی یہ خبر درحقیقت اس بات کا اظہار ہے کہ اگر پیغمبر کا، چچا بھی کفر کرے تو وہ خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔اس کا قانونِ عدل بے لاگ اور خاندان و نسب کے اثرات سے بالاتر ہے۔

۲۔ ہاتھ ٹوٹنے سے مراد اس کے جسمانی ہاتھوں کا تباہ ہو جانا بھی ہے، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں وہ اٹھایا کرتا تھا، اور اس کے زور کا ٹوٹ جانا اور اس کی شان و شوکت کا ختم ہو جانا بھی۔اس نے اللہ کے کلمہ کو پست کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔مگر وہ اپنے مقصد میں بری طرح ناکام رہا۔جنگِ بدر میں اس کا زور ٹوٹ گیا۔اس کے حامی و ناصر بُری طرح مارے گئے، اور اس کی شان و شوکت کا خاتمہ ہو گیا۔اس طرح وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو اس آیت میں کی گئی تھی۔ابن عباس کی روایت ہے کہ جب آیت وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ) (شعراء: ۲۱۴) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر چڑھ کر پکارا: یا صباحاہ (صبح کے خطرہ سے ہوشیار!) لوگوں نے کہا یہ کون پکار رہا ہے؟ پھر وہ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔آپ نے فرمایا اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کیلئے آ رہا ہے تو کیا تم میری بات سچ مانو گے؟

لوگوں نے کہا ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا تو دیکھو میں تمہیں آنے والے عذابِ عظیم سے خبردار کرتا ہوں ۔ یہ سن کر ابو لہب نے کہا تَبًّا لَکَ مَا جَمَعْتَنَا اِلَّا لِھٰذَا (تباہ ہو جائے تو ۔کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا؟) اس بنا پر تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ (ٹوٹ گئے ابو لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہوا) نازل ہوئی۔(بخاری کتاب التفسیر)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورۂ لہب اُسی وقت نازل ہوئی ، کیوں کہ جیسا کہ اس سے پہلے واضح کیا جا چکا ہے، کسی کے حق میں عذاب کا فیصلہ اسی وقت سنایا جاتا ہے، جب اسے آخری حد تک مہلت دی جا چکی ہو، اور اس کے بعد وہ اپنے کفر و سرکشی پر اڑا رہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابولہب کی یہی وہ حرکتیں تھیں جن کی وجہ سے بالآخر وہ معتوب قرار پایا، اور یہ سورہ اس کی حرکتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب ہے۔

۳۔ جنگ بدر میں اس کے حامیوں کی شکست کا اسے زبردست صدمہ ہوا اور اس کے بعد وہ خود بھی تباہ ہوا۔ چنانچہ اس کی موت تباہی کی صورت میں ہوئی اور آخرت کا دردناک عذاب بھی اس کیلئے مقدر ہوا۔ جنگ بدر میں وہ شریک نہیں ہوا اور اس جنگ کو ختم ہوئے ، ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ چیچک کے مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی ۔اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی لاش تین دن تک اس کے گھر میں پڑی سڑتی رہی ، مگر کوئی اس کو ٹھکانے لگانے والا نہ تھا۔ کیونکہ قریش چیچک کے مرض کو چھوت کا مرض خیال کرتے تھے۔ بالآخر اس کے لڑکوں نے اس کی لاش ایک دیوار کی آڑ میں ، اس طرح دفن کردی کہ دور ہی سے اس کی قبر پر پتھر پھینکتے رہے۔(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۰۹)

آج ابولہب کا نام لینے والا کوئی نہ رہا، البتہ اس پر لعنت بھیجنے کیلئے ایک پوری امت موجود ہے۔ جو اپنی نمازوں میں سورۂ لہب پڑھ کر اس دشمن رسول پر لعنت بھیجتی رہتی ہے۔ اس طرح قرآن کی یہ پیشین گوئی کہ رسول کو غلبہ حاصل ہوگا اور دشمنِ رسول تباہ ہوگا۔ حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ قرآن کی صداقت کا یہ ایسا ثبوت ہے جو تا قیامت باقی رہے گا۔

۴۔ یعنی نہ اس کی وہ دولت خدا کی پکڑ سے اسے بچا سکی جس پر اُسے ناز تھا اور نہ وہ اعمال ہی اس کے کچھ کام آسکے جو جھوٹی مذہب پرستی کی بنیاد پر اس نے انجام دئے تھے۔ قرآن میں اعمال کے لئے کَسَب (کمائی) کا لفظ بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔ یہاں بھی یہ اسی مفہوم میں ہے۔

۵۔ یہ اس کا اخروی انجام ہے جو قیامت کے دن اس کے سامنے آئے گا۔

ابولہب اور نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ (بھڑکتی آگ) میں بڑی مناسبت پیدا ہوگئی ہے۔ اس کے دل میں بغض و حسد کی جو آگ تھی وہ قیامت کے دن بھڑک اٹھے گی۔ جزاء درحقیقت انسان کے عمل ہی کا نتیجہ ہے۔

۶۔ ابولہب کی بیوی کا نام اُمِ جمیل تھا۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور چونکہ اسلام دشمنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت میں ، وہ اپنے شوہر کی معاون اور مخالفانہ سرگرمیوں میں اس کی شریک تھی ، اس لئے اس کا انجام بھی بیان فرمایا۔

وہ جہنم میں اپنے شوہر کے لئے ایندھن ڈھونے کا کام کرے گی ، کیوں کہ اس نے عداوت کی آگ بھڑکائی تھی ۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (ایندھن اٹھانے والی) کا مطلب سعید بن جبیر نے گناہوں کا بوجھ اٹھانے والی بیان کیا ہے (فتح القدیر للشوکانی ج ۵ ص ۵۱۲) قیامت کے دن مجرمین کا جو حال ہوگا وہ قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: وَھُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَھُمْ عَلٰی ظُھُوْرِھِمْ ''وہ اپنے بوجھ اپنے پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے'' (الانعام ۔۳۱)

۷۔ یعنی جہنم میں اس کی گردن میں مضبوط رسی پڑی ہوئی ہوگی۔ گویا اس کا حال اس لونڈی کا سا ہوگا جو سر پر لکڑیاں (ایندھن) اٹھائے ہوئے ہو، اور جس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی پڑی ہو۔ قیامت کے دن اسے ذلت کا جو عذاب چکھنا ہوگا اس کی یہ تصویر ہے۔

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ اس کی گردن میں جواہرات کا قیمتی ہار تھا۔اور وہ کہا کرتی تھی کہ لات وعزّیٰ (بتوں کے نام) کی قسم! میں اسے محمد کی عداوت میں خرچ کروں گی۔اس لئے قیامت کے دن اس کے جسم میں یہ ہار عذاب کا موجب ہوگا۔(فتح القدیر للشوکانی ج ۵ ص ۵۱۳)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس ہار پر اسے ناز ہے، اور جس کو وہ مخالف رسول سرگرمیوں میں خرچ کرنا چاہتی ہے، وہ قیامت کے دن واقعی ''اس کے گلے کا ہار'' ثابت ہوگا۔اور اس کا یہ سامانِ آرائش اس کی رسوائی کا باعث ہوگا۔

ابولھب کی بیوی کے اس انجام میں عورتوں کیلئے بھی عبرت ہے اور مردوں کیلئے بھی۔عورتوں کیلئے یہ عبرت کہ ایک عورت کفر وسرکشی کا رویہ اختیار کر کے کتنے بُرے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔اور مردوں کے لئے یہ عبرت کہ عورتیں کس طرح گناہ کے کاموں میں مردوں کی معاون بن کر ان کو تباہی کی طرف دھکیلتی رہتی ہیں۔

سورۂ الاخلاص

۱۱۲۔الاخلاص

نام اس سورہ کا ایک نام تو پہلی آیت قُل ھُوَ اللہُ اَحَدٌ کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسرا نام اس کے مضمون کی مناسبت سے ''الاخلاص'' ہے۔ کیوں کہ یہ خالص توحید کے بیان پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے۔ اور مضمون، نیز اسلوب کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دعوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہوگی، کیوں کہ اس دور میں مختصر فقروں میں دین کی بنیادی باتوں کو پیش کیا گیا ہے۔ اور ان کی توضیح و تفصیل بعد کی سورتوں میں کی گئی ہے۔ ابتدائی دور میں نازل ہونے کا ایک قرینہ حضرت بلال کا یہ واقعہ ہے کہ، جب انہیں امیہ بن خلف سخت دھوپ میں لٹا کر ان کے سینہ پر بڑا پتھر رکھ دیتا، اور کہتا کہ اسی حال میں تجھے مرنا ہوگا، الا یہ کہ تو محمد کا انکار کر کے لات وعزّیٰ کو پوجنے لگے، تو اس کے جواب میں وہ اَحد اَحد کہتے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۸) معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک سورۂ اخلاص نازل ہو چکی تھی۔ اور اَحد کا لفظ اسی سورہ کا تھا جو زبان زد ہو گیا تھا۔

مرکزی مضمون توحید ہے اور خاص طور سے اس کا یہ پہلو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا صحیح تصور پیش کرنا، تاکہ مشرکانہ تصورات کی جڑ کٹ جائے۔

نظمِ کلام آیت ۱ اور ۲ میں مثبت پہلو سے اللہ تعالیٰ کی صفات بیان ہوئی ہیں۔

آیت ۳ اور ۴ میں منفی پہلو پیش کیا گیا ہے، تاکہ قوموں اور ملّتوں میں جن راہوں سے شرک داخل ہوا ہے وہ مسدود ہوں۔

اہمیت وعظمت سورۂ اخلاص درحقیقت قرآن کی آخری سورہ ہے، کیوں کہ اس کے بعد کی دو سورتیں اسی تصورِ توحید سے ابھری ہیں۔ اور اس تصورِ توحید، نیز پورے قرآن کی حفاظت کا سامان ہیں۔ قرآن کا آغاز توحید سے ہوا تھا اور اختتام بھی توحید ہی پر ہوا ہے۔ اس سے توحید کی اہمیت، نیز اس سورہ کی عظمت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ علامہ فراہی فرماتے ہیں: ''اگرچہ یہ سورہ اپنے ظاہری انداز کے لحاظ سے تمام سورتوں میں ایسی چھوٹی ہے جیسی تمام بدن میں آنکھ کی ''پتلی''، مگر سارا عالمِ ہدایت اسی سے روشن نظر آتا ہے۔'' (مجموعہ تفاسیر فراہی ص ۵۲۵)

سورۂ اخلاص کی یہ فضیلت احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّھَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ سورۂ (قل ھُوَ اللہ احدٌ) قرآن کے ایک تہائی حصہ کے برابر ہے۔'' (بخاری کتاب فضائل القرآن)

اس کی یہ فضیلت معانیٔ قرآن کے اعتبار سے ہے، کیوں کہ قرآن میں توحید کا مضمون اس کثرت سے بیان ہوا ہے کہ گویا، اس کا ایک تہائی حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ اور چونکہ سورۂ اخلاص میں اس اہم اور پھیلے ہوئے مضمون کو چار مختصر فقروں میں اس طرح سمیٹ دیا گیا ہے، جیسے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہو۔ اس لئے اسے ایک تہائی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ رہی اس کی تلاوت کی برکتیں تو اس سے وہی لوگ فیضیاب ہو سکتے ہیں جو توحیدِ خالص پر ایمان رکھتے ہوں اور اپنے عقیدہ میں شرک کا کوئی شائبہ نہ آنے دیں۔

سُوْرَةُ الْإِخْلَاصِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴿۱﴾

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ﴿۲﴾

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ﴿۳﴾

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ ﴿۴﴾

۱۱۲۔ سُوْرَةُ الْإِخْلَاصِ

آیات: ۴

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

[۱] کہو ۱ ـ وہ ۲ ـ اللہ یکتا ہے۔ ۳ ـ

[۲] اللہ وہ بالاتر ہستی ہے جو سب کا مرجع وملجا ہے۔ ۴ ـ

[۳] نہ اس کی کوئی اولاد ہے ۵ ـ اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ ۶ ـ

[۴] اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔ ۷ ـ

۱۔ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔اور آپ کے واسطے سے ہر اس شخص سے ہے جو قرآن پر ایمان رکھتا ہو۔(قل) کہنے سے مراد اظہار و اعلان ہے۔

۲۔ آیت میں ھُوَ (وہ) عربی قواعد کی رُو سے ضمیرِ شان ہے، جو کسی بات کی اہمیت کو واضح کرنے اور اس پر توجہ کو مرکوز کرانے کیلئے جملہ کے آغاز میں آتی ہے۔اور اس سے کلام میں بڑی فصاحت پیدا ہو جاتی ہے۔مثلاً کہتے ہیں ھُو الزمان غدار (وہ زمانہ ہے جو بے وفائی کرتا ہے)۔آیت قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ (کہو وہ اللہ یکتا ہے) میں ھُوَ (وہ) کی ضمیر، بیان کی اہمیت کو واضح کر رہی ہے کہ اسے کان لگا کر سنو اور اس پر اپنی توجہ مرکوز کرو۔

۳۔ ''اللہ یکتا ہے'' یعنی وہ اپنی ذات اور صفات میں بالکل منفرد ہے۔واحد (ایک) کے مقابلہ میں اَحد (یکتا) کا لفظ اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ اس کی وحدت میں کثرت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔اور اس کی وحدانیت ایسی کامل ہے کہ نہ اس کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے اور نہ تقسیم۔اس کا وجود مستقل بالذات ہے اور مخلوقات سے بالکل الگ ہے۔خداؤں کی کوئی جنس نہیں بلکہ وہ ایک ہی خدا ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

انسان کی فطرت خدا کے اس تصور سے آشنا ہے۔اس کے وجدان کی پکار بھی یہی ہے۔اور اس کی عقل بھی اسی کی شہادت دیتی ہے، نیز کائنات کا ذرہ ذرہ اور اس کا پورا نظام اسی پر دلالت کرتا ہے۔ ؎

وَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ تَدُلُّ عَلیٰ اَنَّہٗ وَاحِدٌ

''ہر چیز میں اس کی نشانی ہے۔جو اس کی وحدت پر دلالت کرتی ہے۔''

اس کا اَحد (یکتا) ہونا کائنات کی سب سے بڑی، سب سے زیادہ ابھری ہوئی اور سب سے زیادہ بنیادی حقیقت ہے۔اس حقیقت کو نظر انداز کر کے جن لوگوں نے خدا کے بارے میں سوچا ان کو ایسی زبردست ٹھوکر لگی کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے۔اس سلسلہ کی بنیادی غلطی خدا کو مخلوق پر قیاس کرنا ہے۔جب کہ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ خالق اور مخلوق میں کسی پہلو سے بھی مشابہت ممکن نہیں ہے۔اور نہ ہماری محدود عقل اس قابل ہو سکتی ہے کہ اس کی ذات میں غور و خوض کرنے لگے۔اس لئے اس کے یکتا و یگانہ ہونے کے سیدھے سادے تصور کو چھوڑ کر، جتنے فلسفے بھی اہل مذاہب نے خدا کے وجود کے بارے میں ایجاد کئے ہیں، وہ سب بے حقیقت اور یکسر باطل قرار پاتے ہیں۔ظاہر ہے جب پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھی گئی تو کتنی ہی بلند عمارت کیوں نہ تعمیر کی جائے وہ ٹیڑھی ہی ہوگی۔

رہے مادہ پرست لوگ جو خدا کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتے، تو ان کا یہ انکار فطرتِ انسانی کے خلاف اعلان جنگ ہے۔اور جو شخص اپنی فطرت ہی سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو، اس کو کوئی بات بھی دلیل سے منوائی نہیں جا سکتی۔انسان اپنی آنکھیں پھوڑ دینے کے بعد کسی بھی چیز کے وجود سے انکار کر سکتا ہے۔ایسے شخص کو کوئی چیز بھی نہیں دکھائی جا سکتی۔

جہاں تک انبیائی ہدایت کا تعلق ہے، بلا استثناء تمام پیغمبروں نے توحید ہی کی تعلیم دی تھی، چنانچہ بائبل میں باوجود تحریفات کے توحید کا تصور بنیادی طور سے موجود ہے۔مثلاً تورات میں ہے:

''سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔'' (استثناء ۶: ۴)

''جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے۔'' (خروج ۲۲: ۲۰)

اور زبور میں ہے:

''تو ہی واحد خدا ہے۔'' (زبور ۸۶: ۱۰)

لیکن انبیاء علیہم السلام کی اس بنیادی تعلیم سے قوموں اور ملتوں نے انحراف کیا اور گمراہی میں پڑ گئیں۔اس انحراف کی ایک مثال تو عیسائی مذہب کا عقیدۂ تثلیث (Trinity) ہے جو باپ، بیٹا اور روح القدس تین خداؤں کے مجموعہ کا نام ہے۔اور اس کی دوسری مثال ہمارے ملک کے بت پرستوں کا تری مورتی۔۔۔۔۔(त्रिमूर्ति Trimurty) کا عقیدہ ہے، جو تین دیوتاؤں برہما، وشنو اور شیو کے مجموعہ کا نام ہے۔ان کا مذہبی نشان ''اوم'' (ओम Om) تین خداؤں کی نمائندگی کرتا ہے۔

'In later times, Om is the mystic name for the Hindu triad,and represents the union of the three gods viz.a (Vishnu).u (Shiva).m(Brahma).(A Sanskrit - English Dictionary by Sir Monier, Oxford p.235)

اور ویدوں کا تعارف کراتے ہوئے پروفیسر سی کنہن راجا اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہم توحید کے تصور سے ہمیشہ نا آشنا رہے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

"The difficulty is that in India we never had a Monotheism till very recent times. If one reads the Mahabharata. it will be found that every divinity is in his turn a Supreme God head. This is exactly what is found in the Vedas too ------ and there never came a stage when there was only one God " (The Quintessence of the Rigveda p. 11)

۴۔ متن میں لفظ اَلصَّمَدُ استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ میں بڑی وسعت ہے۔اس لئے کسی ایک لفظ میں اس کا ترجمہ کرنا مشکل ہے۔
صمد کے لغوی معنیٰ ہیں، وہ جس کا قصد کیا جائے اور یہ اس سردار کے لئے بولا جاتا ہے جس سے بالاتر کوئی دوسرا شخص نہ ہو، اور جس کی طرف لوگ اپنی ضرورتوں اور معاملات میں رجوع کرتے ہوں۔اسی طرح صمد اس چٹان کو بھی کہا جاتا ہے، جس کی دشمن کے حملہ کے وقت پناہ لی جائے، نیز اس ٹھوس چیز کو بھی کہتے ہیں جسمیں جوف نہ ہو۔

ان لغوی معنیٰ کے پیش نظر آیت میں اللہ تعالیٰ کے لئے اَلصَّمَد کی جو صفت بیان ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بالاتر ہے، اس کی سیادت کامل ہے۔وہی مقصود و مرجع ہے، وہی ملجا و ماٰوی ہے، وہ بے نیاز ہے، اسے کسی چیز کی حاجت نہیں، جب کہ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ سب کی حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے۔وہ پناہ کی چٹان ہے جیسا کہ زبور میں کہا گیا ہے:

''خداوند میری چٹان اور میرا قلعہ اور میرا چھڑانے والا ہے'' (زبور ۱۸:۲) ''اے خداوند تو ہی میری پناہ ہے۔'' (زبور: ۷۱:۱)

اُس کی صمدیت کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ نہ تو کوئی چیز اس کے اندر داخل ہوتی ہے۔اور نہ کوئی چیز اس کے اندر سے خارج ہوتی ہے۔اس لئے اس کے اولاد ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔اور وہ اس بات سے بھی پاک ہے کہ انسان اس میں ضم ہو جائے، جیسا کہ ہمارے ملک کے مشرکین کا عقیدہ ہے۔

۵۔ یہاں پھر انسان نے ٹھوکر کھائی کہ خدا کو اپنے اوپر قیاس کر کے اس کے لئے اولاد تجویز کر بیٹھا، حالانکہ یہ بات عقلاً بھی غلط ہے اور نقلاً بھی۔عقلاً اس لئے غلط ہے کہ کسی کو خدا کا بیٹا ماننے کی صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ خدا کا جزء ہے، کیوں کہ بیٹا باپ کا جزء ہوتا ہے۔اور ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدائی قابل تجزیہ اور قابل تقسیم ہے، نیز اس سے لازم آئے گا کہ اس کی کوئی بیوی ہو اور کسی کی بیوی اس کی ہم جنس ہی ہو سکتی ہے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ خدا کی بھی جنس ہے۔ظاہر ہے اس سے زیادہ گھٹیا اور لغو تصور خدا کے بارے میں اور کیا ہو سکتا ہے؟ مگر اس صریح خلافِ عقل تصور کو اہلِ مذاہب محض جذبات سے مغلوب ہو کر اور غلو کا شکار ہو کر قبول کر لیا۔اور خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کیں۔نقلاً یہ بات اس لئے غلط ہے کہ خدا

نے بندوں کی ہدایت کے لئے، جو کتابیں بھی نازل فرمائیں ان میں توحید ہی کی تعلیم دی گئی تھی۔ان کتابوں کے جو اجزاء ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں سارا زور توحید ہی پر دیا گیا ہے۔ رہا بائبل کا وہ حصہ جس میں حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، تو اولاً یہ بات تورات، زبور اور انجیل کی واضح اور بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔تورات بائبل کے مجموعہ میں سب سے پہلی اور سب سے قدیم کتاب ہے۔اس لئے اس کی تعلیم کے خلاف اناجیل اربعہ کے بیان کی حیثیت تحریف ہی کی قرار پاتی ہے۔ثانیاً اناجیل اربعہ میں جہاں حضرت مسیح کے لئے ''بیٹا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں عمومیت کے ساتھ خدا کے نیک بندوں کے لئے بھی خدا کے بیٹے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں: مثلاً: ''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیوں کہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔'' (متی ۵: ۹)

بادی النظر میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بات مجازی معنیٰ میں کہی گئی ہے نہ کہ حقیقی معنیٰ میں۔لیکن اگر توحید کی اس تعلیم کو سامنے رکھا جائے جو تورات، زبور اور انجیل کے اوراق میں پھیلی ہوئی ہے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبد (بندہ) کے لفظ کو ابن (بیٹا) سے بدل دیا گیا ہے۔اسی طرح لفظ رب (پروردگار۔مالک) کی جگہ اب (باپ) کا لفظ رکھ دیا گیا ہے۔متی کی انجیل میں ہے:

''پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔'' (متی ۶:۹)

یہ کھلی ہوئی تحریف ہے، جو یا تو ان کتابوں کے مؤلفین نے کی ہے یا ان کے مترجمین نے، کیوں کہ انجیل ہی میں واضح طور سے کہا گیا ہے:

''یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے اے اسرائیل سن۔خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔'' (مرقس: ۱۲: ۲۹، ۳۰)

خدا کے لئے اولاد تجویز کرنے میں نصاریٰ منفرد نہیں ہیں، بلکہ دوسری قومیں بھی اس گمراہی میں شریک ہیں۔یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں ٹھہرایا تھا۔اس سے بھی دو قدم آگے ہندوستان کے بت پرست ہیں، جو نہ صرف بے شمار خداؤں کے قائل ہیں بلکہ ان کی اولاد کے بھی۔مثلاً:

The Maruts are the sons of Rudra. another great god in the Rigveda" (The Quintessence of the Rigveda p.45)

ان کے نزدیک مہد برہما وہ رحم ہے، جس میں بھگوان باپ کی حیثیت سے اپنا تخم ڈال دیتا ہے، جس سے مخلوق جنم لیتی ہے چنانچہ گیتا میں ہے:

Mahad- Brahma is the womb wherein I cast My Primal seedling whence are born all creatures. Whatever beings are born from any womb Mahad - Brahma is their Primal Mother and I Their Primal Father who inseminate her."(The Bhagavad Gita 14 - 3 - 4 Eng. Transl. by Dilip Kumar Roy p.160)

لیکن قرآن نے خدا کی معرفت ایسے صاف ستھرے حقیقت افروز اور دل لگتے، انداز میں پیش کی ہے کہ اس روشنی کے سامنے ساری تاریکیاں کافور ہوگئی ہیں۔

۶۔ وہ خدا ہی کیا ہوا جسے کسی نے جنم دیا ہو؟ لیکن مشرکانہ مذاہب میں خداؤں کے جنم لینے کا تصور پایا جاتا ہے۔مثال کے طور پر رگ وید میں خداؤں کی پیدائش کا ذکر موجود ہے:

" There is a song about the birth of gods (X.72). The gods are spoken of generally as having been born from the heaven and the earth and in various other ways."(Quintessence of the Rigveda p.100)

اسی مشرکانہ تصور کی یہاں نفی کی گئی ہے کہ جس طرح اللہ کی کوئی اولاد نہیں، اسی طرح اس کا کوئی باپ بھی نہیں ہے۔جنم لئے ہوئے خدا تو فرضی خدا ہی ہو سکتے ہیں۔حقیقی خدا تو سب کا خالق ہے وہ مخلوق کیونکر ہو سکتا ہے؟ وہ تنہا اللہ ہی کی ذات ہے، جس سے نہ کوئی چیز جنم لیتی ہے اور نہ کسی نے اسے جنم دیا ہے۔۔۔۔۔کس قدر خدا کے شایانِ شان ہے قرآن کا یہ تصورِ توحید!

۷۔ یعنی نہ اللہ کی ذات میں اس کی برابری اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی ہے اور نہ اس کی صفات میں۔سب مخلوق ہیں اور وہ تنہا خالق، سب محتاج ہیں اور وہ اکیلا غنی و بے نیاز، سب بندے اور غلام ہیں اور وہ ایک معبود و آقا۔اس کے مانند اور اس کے ہم رتبہ نہ کبھی کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

اس واضح حقیقت کے باوجود مشرکین نے خدا کے ہمسر ٹھہرائے۔اس معاملہ میں ہندوستان کے مشرکین سب سے آگے ہیں۔انہوں نے خالق اور مخلوق دونوں کو ایک مخلوط وجود (ہمہ اوست) قرار دیا۔ان کی مذہبی کتاب اُپنیشد میں شرک کو ایک فلسفہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے:

"All that exists, says the Upanishad.is He, He is that All and the All is He.(The Upanishads by M.P.Pandit p. 154)

"The Self or Soul of everyone is Brahman." (Upanishads by Swami Sivananda p. 16)

ان کی دوسری مذہبی کتابوں میں بھی خدا کا تصور بہت الجھا ہوا ہے:

"There is no Personal Supreme God in the religion of Vedas."(The Quintessence of the Rigveda P. 7)

"He is in all and all are in Him --- He descence as the Avatar." (The Bhagavad Gita-A Revelation by D.K. Roy P.33)

"Lord,I behold in Your body all gods."(The Bhagavad Gita - Ch XI : 15)

جو لوگ ان مشرکانہ فلسفوں میں اُلجھ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، ان کی نجات اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ وہ تعصّبات کو چھوڑ کر قرآن کی روشنی کو قبول کر لیں۔

۱۱۳۔ الفلق

نام پہلی آیت میں لفظ فَلَق آیا ہے جس کے معنیٰ صبح کے ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "اَلْفَلَق" ہے۔ سورۂ فلق سورۂ ناس دونوں استعاذہ کی سورتیں ہیں۔ اس لئے ان کا مشترکہ نام مُعَوِّذَتَین (پناہ والی سورتیں) بھی ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی ہوگی، جب شیطانی قوتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شر پہنچانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور آپ کے مخالفین حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔

مرکزی مضمون بندوں کو اس بات کی تعلیم دینا ہے کہ وہ ہر قسم کے شر کے مقابلہ میں، اللہ ہی کی پناہ ڈھونڈیں کہ وہی اکیلا پناہ دہندہ ہے۔ اس سلسلہ میں ایسے دعائیہ کلمات سکھائے گئے ہیں، جو استعاذہ کے لئے موزوں ترین ہیں۔

نظم کلام آیت ۱ میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ بندہ پناہ کے لئے اسی ہستی کی طرف رجوع کرے، جس کی ربوبیت کے کرشمے وہ رات دن دیکھ رہا ہے۔

آیت ۲ تا ۵ میں بتایا گیا ہے کہ کن کن چیزوں کے شر سے خدا کی پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔

فضیلت اس سورہ میں، نیز اس کی بعد والی سورہ میں پناہ مانگنے کے لحاظ سے، جو جامع کلمات اور جو مؤثر دعا ارشاد ہوئی ہے، اس کی اہمیت و فضیلت حدیث میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔ عُقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اُنْزِلَتْ عَلَیَّ اٰیَاتٌ لَمْ یُرَ مِثْلُھُنَّ قَطُّ: اَلْمُعَوِّذَتَیْنِ "مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جو بالکل بے مثال ہیں یعنی مُعَوِّذتین۔" (مسلم کتاب صلاۃ المسافرین)

برکتیں حدیث میں آتا ہے:

عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ کَانَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا آوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ نَفَثَ فِیْ کَفَّیْہِ بِقُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ وَبِالْمُعَوِّذَتَیْنِ جَمِیْعًا ثُمَّ یَمْسَحُ بِھِمَا وَجْھَہٗ وَمَا بَلَغَتْ یَدَاہُ مِنْ جَسَدِہٖ۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر جاتے، تو اپنے دونوں ہاتھوں میں قُل ھُو اللہُ اَحَدٌ اور مُعَوِّذَتَین پڑھ کر پھونکتے پھر ان کو اپنے چہرے اور جسم پر جہاں تک کہ ہاتھ پہنچ جاتا پھیر لیتے۔" (بخاری کتاب الطب)

تعویذ گنڈوں سے بچتے ہوئے ان سورتوں کی برکتوں سے فیض اور شفاء حاصل کرنے کا یہ صحیح اور مسنون طریقہ ہے۔ مگر یاد رہے کہ سورہ کا اصل مقصد توحید پر جمے رہنا، اس کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اس بات کا خاص طور سے خیال رکھنا ہے کہ عقائد میں شرک کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔ جو لوگ اس مقصدِ عظیم کو نظر انداز کر کے کلامِ الٰہی کی صرف ظاہری برکتوں کو حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں، ان کی مثال اس پیاسے شخص کی سی ہے جو دریا کے کنارے بیٹھ کر اپنے ہاتھ اور منہ دھو لیتا ہے، مگر پانی پینے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ ظاہر ہے اس کے اس عمل سے ہاتھ اور منہ تو دُھل جائیں گے لیکن اس کی پیاس ہرگز بجھ نہ سکے گی۔

سُوْرَةُ الْفَلَقِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾

وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾

وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾

وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

۱۱۳۔ سُوْرَةُ الْفَلَقِ

آیات: ۵

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ کہو ۱؎، میں پناہ مانگتا ہوں ۲؎، صبح کے رب کی، ۳؎

۲ جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے اس کے شر سے، ۴؎

۳ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے، ۵؎

۴ اور گرہوں میں پھونکنے والوں کے شر سے۔ ۶؎

۵ اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔ ۷؎

۱۔ یعنی اللہ سے یہ دعا کیا کرو اور اس کی پناہ ان کلمات کے ذریعہ مانگا کرو۔ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور آپ کے واسطہ سے ہر اس شخص سے جو قرآن پر ایمان لایا ہو۔

۲۔ پناہ کے معنیٰ حفاظت، بچاؤ اور امان کے ہیں۔ اور پناہ مانگنے سے مراد اپنی حفاظت کے لئے پناہ دینے والی ہستی سے دعا کرنا، اس کی طرف رجوع کرنا، اس کا سایۂ عاطفت ڈھونڈنا اور اس کے سہارے کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینا ہے۔ پس یہاں اَعُوْذُ (میں پناہ مانگتا ہوں) کا مطلب یہ ہے کہ میں خدا کو واحد پناہ دہندہ مان کر اپنے آپ کو اس کی حفاظت میں دے دیتا ہوں، وہی ہر قسم کے شر سے بچانے والا ہے۔ اور میں اسی سے بندگی کا تعلق استوار کرتا ہوں۔

واضح رہے کہ کسی کو حقیقی معنیٰ میں پناہ دہندہ سمجھنا اس کو خدا قرار دینا ہے۔ اس لئے اللہ کے سوا کسی کی پناہ مانگنا، جیسا کہ مشرکین دیوی دیوتاؤں کی پناہ مانگتے ہیں کھلا شرک ہے۔

۳۔ یعنی جو رات کی تاریکی کا پردہ چاک کر کے صبح کو نمودار کرتا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (رات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح نمودار کرنے والا۔ الانعام:۹۶) یہاں اللہ کی صفتِ ربوبیت کے ساتھ اس کے اس کرشمۂ قدرت کا ذکر، اس معنیٰ میں ہے کہ گویا پناہ لینے والا اپنے اس یقین اور اطمینان کا اظہار کر رہا ہے کہ، جو ہستی تاریکی کو پھاڑ کر صبح کو ظہور میں لاتی ہے، وہ مایوس کن حالات میں امید کی کرن بھی پیدا کرے گی۔ اور فتنوں کے ہجوم کو چھانٹ کر امن و عافیت کی راہ بھی کھولے گی۔

۴۔ اس آیت پر غور کرنے سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

(۱) سب چیزیں اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں۔ خالق تنہا وہی ہے اور مالک بھی وہی، اس لئے کوئی چیز بھی خالق کائنات سے زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا مخلوق کے شر سے بچنے کے لئے خالق کی پناہ ڈھونڈنا ہی صحیح طرزِ عمل ہے۔ برخلاف اس کے مخلوق کے شر سے بچنے کے لئے مخلوق ہی کی دہائی دینا خواہ اس مقصد کے لئے آدمی کسی دیوی دیوتا کو پکارے یا کسی ''غوث'' اور ''ولی'' کو، سراسر حماقت اور یکسر باطل ہے۔

(۲) ''جو کچھ اس نے پیدا کیا اس کے شر سے'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی پیدا کردہ ہر چیز میں لازماً شر کا پہلو ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی پیدا کردہ چیزوں میں سے جو چیزیں بھی اپنے اندر شر کا کوئی پہلو رکھتی ہیں ان سب کے شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

(۳) کوئی چیز بھی اپنی ذات میں مؤثر نہیں ہے اور نہ کوئی شر خود بخود کسی کو لاحق ہوتا ہے۔ بلکہ ہر چیز اللہ کے حکم ہی سے اثر انداز ہوتی ہے اور جو شر بھی کسی کو لاحق ہوتا ہے، اس کے اذن ہی سے ہوتا ہے۔ اس لئے شر سے بچنے کے لئے اسی سے دعا کرنا چاہئیے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئیے۔

(۴) شر سے مراد محسوس ہونے والی آفتیں اور بلائیں بھی ہیں اور معنوی مضرتیں اور گمراہیاں بھی، پہلی چیز کی مثال بیماریاں اور ایذائیں ہیں اور دوسری چیز کی مثال گناہ اور کفر و شرک ہے۔ سیاق کلام کے لحاظ سے شر کا یہ دوسرا پہلو خاص طور سے مراد ہے۔ اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مَعُوِّذَتَیْنِ کو قرآن کے بالکل اخیر میں رکھا گیا ہے۔ یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کے ذریعہ، جس ہدایت سے نوازا گیا ہے اس کی حفاظت کے سلسلہ میں چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ شر پسند قوتیں اثر انداز نہ ہونے پائیں، اور بھٹکانے میں کامیاب نہ ہوں۔

۵۔ پچھلی آیت میں مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر عمومیت کے ساتھ ہوا ہے۔ اب بعض خاص چیزوں کے شر سے خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

رات آتی ہے تو تاریکی چھا جاتی ہے اور اس کی تاریکی میں شر پسند عناصر اور شیطانی قوتوں کو اُبھرنے کا موقع ملتا ہے۔ ظاہری اور جسمانی آفتوں کے

اعتبار سے بیماریاں رات میں بڑھتی ہیں اور موذی جانور رات میں نکلتے ہیں۔ غرضیکہ رات کو ڈر اور خوف کا ماحول رہتا ہے۔ رہی باطنی اور اخلاقی آفتیں تو رات میں جرائم کثرت سے ہوتے ہیں۔ اکثر سازشیں رات ہی میں کی جاتی ہیں اور شیطان اپنے لشکر کے ساتھ رات کی تاریکی ہی میں حملہ آور ہوتا ہے۔ اس لئے رات کی ظاہری تاریکی، باطنی تاریکی کا موجب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس شر کی طرف سے چوکنا رہنے اور اس سے خدا کی پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ رات کی طرف شر کو منسوب کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رات میں خیر کا نزول نہیں ہوتا یا خیر کے کام انجام نہیں پاتے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ رات کا وقت شیطانی قوتوں کے لئے شر پھیلانے کے تعلق سے بڑا سازگار رہتا ہے۔

۶۔ عُقَد (گرہوں) سے مراد وہ گرہیں ہیں جو شیاطین، انسان کے شعور اور اس کے حواس پر لگا کر اسے غافل اور مدہوش بنا دیتے ہیں، چنانچہ صحیحین کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَأْسِ اَحَدِكُمْ ثَلَاثَ عُقَدٍ اِذَا نَامَ۔ بِكُلِّ عُقْدَةٍ يَضْرِبُ عَلَيْكَ لَيْلاً طَوِيلاً۔ فَاِذَا اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَاِذَا تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عَنْهُ عُقْدَتَانِ۔ فَاِذَا صَلّٰى انْحَلَّتِ الْعُقَدُ فَاَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ۔ (مسلم کتاب صلاۃ المسافرین)

"جب تم میں سے کوئی شخص سوتا ہے تو اس کے سر کے پچھلے حصہ پر شیطان تین گرہیں لگاتا ہے۔ اور ہر گرہ کے ساتھ یہ بات بھی چسپاں کر دیتا ہے کہ ابھی رات لمبی ہے۔ پھر جب وہ شخص جاگ اٹھتا ہے اور اللہ کو یاد کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اور جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اور صبح کو وہ ہشاش بشاش اور پاکیزگی نفس کی حالت میں ہوتا ہے۔ بصورت دیگر وہ صبح کو سست اور خباثتِ نفس کی حالت میں ہوتا ہے۔"

یہ شیطان کے انسان کو غفلت میں ڈالنے کی ایک مثال ہے، جو حدیث میں پیش کی گئی ہے۔ اس سے شیطان کے القاء، اس کی حرکتوں اور اس کے حملوں کا بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نَفَّاثَاتْ کا لفظ نَفْثْ سے ہے جس کے معنیٰ پھونکنے کے ہیں۔ حدیث میں القائے شیطانی کو اس کے نَفْث سے تعبیر کیا گیا ہے:

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ۔ "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان کے نفخ اس کے نَفْث اور اس کے ہمزہ سے۔"

اس حدیث کے راوی ابن مُرّہ نے ان تینوں الفاظ کی وضاحت اس طرح کی ہے۔ کہ شیطان کے نَفْخ سے مراد کبر، نَفْثِ سے مراد شعر، اور اس کے هَمْز سے مراد جنون ہے۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ج ۲ ص ۷۹ ۴)

اس میں نفث کو شعر سے جو تعبیر کیا گیا ہے وہ دراصل القائے شیطانی ہی کی ایک شکل ہے اس کی دوسری شکل سحر اور جادو بھی ہے۔

نَفَّاثَات کا لفظ جمع مؤنث کا صیغہ ہے اور مبالغہ کے وزن پر ہے۔ یہ نفوس کی صفت ہے اس لئے عربی قواعد کے مطابق مؤنث ہے۔ یعنی وہ نفوس جو پھونکنے کے عادی ہیں۔ مراد شیطانی نفوس ہیں جو اپنے القاء کے ذریعہ انسان کے شعور اور اس کے حواس کو متاثر کر دیتے ہیں۔ اوپر حدیث میں شیطان کے گرہ باندھنے کا جو ذکر ہوا ہے اس میں بھی یہ بات بیان ہوئی ہے کہ وہ ہر گرہ کے ساتھ یہ بات بھی چسپاں کر دیتا ہے کہ ابھی رات لمبی ہے۔ یہ درحقیقت شیطان کا اس گرہ میں نفث (پھونکنا) ہی ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین اپنے القاء کے ذریعہ انسان کے شعور، اس کے حواس اور اس کی نفسیات کو متاثر کر کے اُسے غفلت، بے خودی، مدہوشی اور نفسیاتی امراض کا شکار بناتے ہیں۔ اور اس پر بُری اور گمراہ کن باتیں الہام کرتے ہیں۔ ان کے اس شر سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے۔ یہ القائے شیطانی شاعری کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے۔ اور ساحری کی شکل میں بھی۔ زُخرف القول کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے اور گانے کی شکل میں بھی۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اس کو کسی ایک شکل میں محدود سمجھا جائے۔ سفلی عمل کرنے والوں کے ہاں تو گنڈوں میں پھونک مارنے کا طریقہ پہلے ہی سے چلا آرہا ہے۔ ساحر اور ٹونے ٹوٹکے کرنے والے شیاطین کی مدد سے یہ عملِ خبیث انجام دیتے ہیں۔ اور لوگوں کے لئے گمراہی کا سامان کرتے ہیں۔ اور آج کل ہپناٹزم (Hypnotism) کے ذریعہ بھی انسان کے حواس اور اس کی نفسیات کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ سب شیطانی اعمال کی مختلف شکلیں ہیں۔ اس قسم کی تمام اذیتیوں سے بچنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ اللہ کی پناہ لی جائے، اور اس بات پر یقین رکھا جائے کہ اس کے اذن کے بغیر کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

عام طور سے مفسرین اس آیت کے ذیل میں نبی ﷺ پر جادو کی روایت نقل کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ میں ایک یہودی نے یا ایک منافق نے، جو یہود کا حلیف تھا اور جس کا نام لبید بن عاصم تھا، آپ کی کنگھی کے بالوں میں جادو کر کے اس کو ایک کنویں کے اندر پتھر کے نیچے دبا دیا تھا۔ اس جادو کے اثر سے آپ بیمار ہوئے اور یہ کیفیت ہوئی کہ کسی کام کے متعلق خیال کرتے کہ کرلیا ہے لیکن نہیں کیا ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بعض روایتوں کے مطابق چھ ماہ تک آپ پر اس کا اثر رہا۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد آپ کو وحی کے ذریعہ مطلع کیا گیا اور مَعُوْذَتَین پڑھنے کی ہدایت ہوئی جس سے آپ شفایاب ہوگئے۔

یہ روایت بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں نقل ہوئی ہے لیکن بوجوہ قابل قبول نہیں:

اولاً: یہ روایت قرآن سے متصادم ہے، کیوں کہ قرآن نے کفار کے اس الزام کی نفی کی ہے کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہے۔ يَقُولُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ط (ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو ایک سحر زدہ آدمی کی پیروی کررہے ہو۔ بنی اسرائیل: ۴۷) گویا قرآن جس بات کی تردید کر رہا ہے یہ روایت اس کی تصدیق کررہی ہے۔ اس کا جواب اس روایت پر یقین کرنے والے علماء یہ دیتے ہیں کہ نبی پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے، جس طرح حضرت موسیٰ کو جادوگروں کی رسّیوں اور لاٹھیوں کے بارے میں خیال ہوا تھا کہ وہ سانپ کی طرح دوڑ رہی ہیں (سورۂ طٰہٰ: ۶۶)۔ رہا کفار کا الزام کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہے تو وہ اس مفہوم میں تھا کہ کسی جادوگر نے آپ کو پاگل بنا دیا ہے جس کی قرآن نے تردید کی۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ ''جادو کا اثر صرف ذاتِ محمد پر ہوا تھا نبوتِ محمد اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔'' لیکن یہ جواب محض سخن سازی ہے کیوں کہ روایت میں جادو کا یہ اثر بیان کیا گیا ہے کہ آپ کسی کام کے متعلق یہ خیال کرتے کہ کرلیا ہے لیکن نہیں کیا ہوتا۔ یعنی جادو کا اثر معاذ اللہ آپ کے ذہن پر ہوا تھا اور وہ بھی کئی ماہ تک باقی رہا۔ نیز آپ کو اس کی خبر اس وقت ہوئی جب کہ وحی الٰہی نے آپ کو مطلع کیا۔ جب کہ حضرت موسیٰ نے جادوگروں کی رسّیوں اور لاٹھیوں کو سانپ کی شکل میں محض وقتی طور پر دیکھا تھا۔ اور ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ رسّیاں اور لاٹھیاں حقیقت میں سانپ نہیں ہیں، بلکہ سانپ کی شکل میں دکھائی دے رہی ہیں۔ اس لئے اس کے دیکھنے سے ان کو دھوکا نہیں ہوا۔ پھر یہ کوئی بیماری نہیں تھی جس میں حضرت موسیٰ مبتلا ہوئے ہوں۔ اس لئے روایت میں بیان کردہ سحر کے واقعہ کو حضرت موسیٰ کے واقعہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

ثانیاً: سحر کے اس واقعہ کو تسلیم کرنے سے عصمتِ انبیاء پر حرف آتا ہے، کیوں کہ روایت میں سحر کا اثر محض جسمانی حالت پر نہیں بلکہ ذہنی کیفیت پر بھی بتایا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات منصبِ نبوت میں قادح ہے۔ اس لئے یہ دلیل بے معنیٰ ہے کہ اگر آپ زخمی ہوسکتے تھے اور بیمار ہوسکتے تھے تو آپ پر

جادو کا اثر بھی ہو سکتا تھا۔

عصمتِ انبیاء کا مسئلہ اجماعی ہے اور قرآن وسنت اس پر ناطق ہیں۔اس لئے ایسی روایت جو منصب نبوت میں قادح ہو، ہرگز قابل اعتناء نہیں ہو سکتی،خواہ وہ بخاری کی روایت ہو یا مسلم کی۔

ثالثاً: جہاں تک سلسلۂ روایت کا تعلق ہے اس میں ایک راوی ہشام ہیں جو اگرچہ ثقہ ہیں۔لیکن علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کے بارے میں ایک بات یہ بھی نقل کی ہے کہ وہ عراق جانے کے بعد اپنے والد سے بہ کثرت روایت کرنے لگے تھے،جس پر اہل عراق نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔نیز یہ کہ مالک نے ان کی ان حدیثوں پر جو وہ اہل عراق سے بیان کرتے تھے نکارت کا اظہار کیا ہے۔وہ تین مرتبہ کوفہ آئے تھے۔پہلی مرتبہ وہ اس طرح روایت کرتے حَدَّثَنِیْ اَبِی قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَۃ ''میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو فرماتے ہوئے سنا'' اور دوسری مرتبہ آئے تو اس طرح روایت کرنے لگے اخبرنی ابی عن عائشه ''مجھے میرے والد نے خبر دی کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔'' اور تیسری مرتبہ آئے تو ان الفاظ میں روایت کرنے لگے۔ابی عن عائشه ''میرے والد نے عائشہ سے روایت کی ہے۔'' (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۵۰) اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہشام اگرچہ ثقہ راوی تھے،لیکن روایت کرنے میں کچھ بے احتیاطیاں بھی ان سے ہونے لگی تھیں۔ایسی صورت میں ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر والی روایت کو جو ایک بہت بڑے مسئلہ میں ہے ان کی بے احتیاطی پر کیوں نہ محمول کیا جائے؟

رابعاً: سلسلہ روایت میں ایک راوی سفیان بن عُیینہ ہیں جو یہ اقرار کرتے ہیں کہ میں نے اِسے ابن جریج سے پہلی مرتبہ سنا۔اس پر مولانا امین احسن صاحب کی یہ گرفت بالکل بجا ہے کہ:

''گویا اس واقعہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے سو سال بعد شہرت پائی،اس سے پہلے اس کا علم صرف بعض افراد تک محدود رہا۔ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ **العیاذ باللہ** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ ماہ تک مسحور رہے ہوتے تو یہ واقعہ اتنا غیر معمولی تھا کہ صدر اول ہی میں اس کا چرچا ہو جاتا اور یہ روایت ایک متواتر روایت کی حیثیت سے ہم تک پہنچتی۔'' (تدبر قرآن ج ۸ ص ۶۶۶)

طوالتِ کلام سے بچتے ہوئے ہم ان چند وجوہ کو بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں،البتہ یہاں ان مفسرین کے بیانات کے چند اقتسابات نقل کریں گے جنہوں نے شدت کے ساتھ سحر والی روایت کو رد کر دیا ہے۔

مشہور مفسر علامہ ابوبکر جصاص اپنی تفسیر احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

''اور لوگوں نے جادو کے عمل سے بھی زیادہ بڑی اور ہولناک بات جائز قرار دی ہے۔چنانچہ ان کا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا اور اس کا اثر بھی آپ پر ہوا تھا حتّٰی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ میں کوئی بات کہہ رہا ہوں اور کر رہا ہوں جب کہ میں نے نہ وہ بات کہی ہوتی ہے اور نہ کی ہوتی ہے۔اور ایک یہودی عورت نے آپ پر کھجور کے چھلکے کے اندر کنگھی اور بالوں میں جادو کر دیا تھا یہاں تک کہ آپ کے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔اور آپ کو اطلاع دی کہ اس عورت نے کھجور کے چھلکے کے اندر جادو کر دیا ہے اور وہ کنویں کے پتھر کے نیچے ہے۔تو آپ نے اس کو نکلوایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سے اس کا اثر زائل ہو گیا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کفار کے دعوے کو جھٹلاتے ہوئے فرمایا ہے۔وَقَالَ الظَّالِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلاً مَّسْحُوْرًا (اور ظالم کہتے ہیں کہ تم ایک ایسے آدمی کے پیچھے چل رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے)۔ اس طرح کی حدیثیں درحقیقت ملحدوں کی وضع کردہ ہیں۔'' (احکام القرآن ج ۱ ص ۵۵)

سید قطب اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں فرماتے ہیں:

''لیکن یہ روایتیں عمل و تبلیغ کے معاملہ میں اصلاً عصمتِ نبوی کے خلاف ہیں۔ اور اس اعتقاد کے ساتھ کہ آپ کا ہر فعل اور ہر قول سنت و شریعت ہے، درست نہیں قرار پاتیں۔ نیز یہ روایات قرآن کے اس بیان سے بھی متصادم ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سحر زدہ ہونے کی نفی کی گئی ہے اور مشرکین کے اس باطل دعوے کو جھوٹ قرار دیا گیا ہے۔ اس بنا پر یہ روایتیں بعید از قیاس ہیں۔ نیز خبر آحاد کو عقیدہ کے مسئلہ میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے قرآن ہی مرجع ہے اور اصول و اعتقاد کے معاملہ میں احادیث کو قبول کرنے کے لئے تواتر شرط ہے جب کہ یہ روایتیں متواتر نہیں ہیں۔ مزید برآں ان دونوں سورتوں کا نزول راجح قول کے مطابق مکہ میں ہوا تھا۔ اور یہ بات دوسری روایتوں کی بنیاد کو کمزور کر دیتی ہے۔''
(فی ظلال القرآن ج ۶ ص ۴۰۰۸) اور مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''اگر چہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ اس جادو کا کوئی اثر آپ کے فرائضِ نبوت پر نہیں پڑا، لیکن ساتھ ہی نہایت سادہ لوحی سے یہ اعتراف بھی کر لیا گیا ہے کہ اس کا اثر حضور ﷺ پر یہ پڑا کہ آپ گھلتے جا رہے تھے، کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ کر لیا ہے لیکن نہیں کیا ہوتا۔۔۔۔ میرے نزدیک اس شانِ نزول کو رد کرنے کیلئے یہ دلیل کافی ہے کہ یہ اس مسلمہ عقیدے کے بالکل منافی ہے، جو قرآن نے انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہمیں تعلیم کیا ہے۔ عصمت، حضراتِ انبیاء (علیہم السلام) کی ان خصوصیات میں سے ہے جو کسی وقت بھی ان سے منفک نہیں ہو سکتیں۔ اس عصمت کو اس امر سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ نبی کے دندان مبارک شہید ہو گئے یا وہ زخمی ہو گیا یا وہ قتل کر دیا گیا۔ ان میں سے کوئی چیز بھی اس کی نبوت میں قادح نہیں ہے کہ اس کو آپ اس امر کی دلیل بنائیں، کہ جب نبی ان چیزوں میں مبتلا ہو سکتا ہے تو مسحور بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو کردہ اور ناکردہ، دیدہ اور نادیدہ میں کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے شیطانی تصرفات سے اپنے نبیوں کو محفوظ رکھا ہے اور ان کی محفوظیت دین کے تحفظ کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ محفوظیت ہی نبی کے ہر قول و فعل کو سند بناتی ہے۔ پورا قرآن انبیاء کی عصمت پر گواہ ہے اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان کی عصمت پر ایمان رکھے۔'' (تدبر قرآن ج ۸ ص ۶۶۵، ۶۶۶)

ان مفسرین کے مذکورہ بیانات سے سحر کے واقعہ اور روایت کی حقیقت منقح ہو جاتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ لوگوں کو جتنی دلچسپی ایک روایت کو صحیح ثابت کر دکھانے سے ہے، اتنی دلچسپی انہیں اس بات سے نہیں کہ اس کا عصمتِ انبیاء پر کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ روایت پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟

۷۔ حَسَد کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اپنی کسی نعمت یا فضیلت سے نوازا ہے تو دوسرا شخص اس پر جلنے لگے اور اس بات کا خواہشمند ہو کہ وہ اس سے چھن جائے۔ اور ''حاسد جب حسد کرے'' کا مطلب یہ ہے کہ حاسد جب حاسدانہ کارروائی کرنے لگے اور جوشِ حسد میں اقدام کر بیٹھے۔ ایسے موقع پر اس کے شر، اس کی ایذاؤں اور اس کی اذیتوں سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگنا چاہیئے۔

حاسد کا لفظ اگر چہ عام ہے لیکن یہ بھی ایک اُبھری ہوئی حقیقت ہے کہ حسد کی ابتداء شیطان ہی سے ہوئی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کر کے خلافتِ ارضی کا تاج اس کے سر پر رکھا تھا۔ اسی فضیلت کی بنا پر شیطان انسان کا دشمن بن گیا اور چاہتا ہے کہ انسان بھٹک جائے۔

قرآن میں یہود کے حسد کا بھی خاص طور سے ذکر ہوا ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ۔ (البقرہ ۔ ۱۰۹)

''بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تمہیں کفر کی طرف پلٹا لے جائیں محض اپنے نفس کے حسد کی بنا پر۔''

کفارِ مکہ کو بھی نبی ﷺ سے اس بنا پر حسد تھا، کہ مکہ اور طائف کے سرداروں کو چھوڑ کر آپ کو کیوں نبوت کے لئے منتخب کیا گیا۔ وہ کہتے تھے:

لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔ (الزخرف: ۳۱)

''یہ قرآن دونوں شہروں کے (رئیسوں میں سے) کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟''

یہ حسد ہی کی آگ تھی جس نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن بنا دیا تھا۔ اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اہل ایمان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو:

مَایَوَدُّالَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ (البقرہ:۱۰۵)

''جن لوگوں نے کفر کیا خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی خیر نازل ہو۔''

الغرض آیت کا منشاء یہ ہے کہ ایک مؤمن کو جب کبھی کسی حاسد سے سابقہ پیش آئے، تو وہ اس کے فتنوں سے بچنے کے لئے خدا کی پناہ مانگے۔ اس طرح وہ اپنے غصہ کو بھی قابو میں رکھ سکے گا اور خدا کی مدد کا بھی مستحق ہوگا۔

قرآن کے اختتام پر حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی جو ہدایت دی گئی ہے اس سے ایک اہم بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل ایمان خُوب سمجھ لیں کہ اس کتابِ ہدایت کو پا کر انہیں بڑی نعمت اور بہت بڑا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس پر ان کے دشمنوں کا انہیں حاسدانہ نگاہوں سے دیکھنا اور توحید سے، جو ہدایت کی اصل بنیاد ہے، انہیں پھیرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا ہرگز بعید نہیں۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ اپنے حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کی طرف سے چوکنا رہیں اور ان کے فتنوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا سہارا لیں۔

۱۱۴۔ النّاس

نام اس سورہ میں پانچ مرتبہ اَلنَاس (انسان) کا لفظ آیا ہے۔اس مناسبت سے اس کا نام "اَلنَاس" ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی ہوگی، جب قرآن کے خلاف شیاطینِ انس وجن نے لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی مہم شروع کردی تھی۔

مرکزی مضمون سورہ فلق کی طرح اس کا مرکزی مضمون بھی استعاذہ ہی ہے۔البتہ اس میں وسوسہ اندازی کو سب سے بڑا شر قرار دے کر، اس سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۳ میں پناہ دہندہ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

آیت ۴ میں جس کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، اس کے ایک خطرناک اور شاطر دشمن ہونے سے متنبہ کیا گیا ہے۔

آیت ۵ میں بتایا گیا ہے کہ ان کے حملوں کا اصل نشانہ انسان کا دل ہوتا ہے۔

آیت ۶ میں خبردار کیا گیا ہے کہ یہ دشمن، جس طرح جنوں میں سے ہوتا ہے، اسی طرح انسانوں میں سے بھی ہوتا ہے۔

اھمیت ترتیب کلام کے لحاظ سے قرآن کی یہ آخری سورہ ہے۔اور ایک پہلو سے وہ توحید کی محافظ ہے، تو دوسرے پہلو سے پورے قرآن کی۔توحید کی محافظ اس طرح ہے کہ اس میں توحید کے اصل دشمن، شیطان کی شاطرانہ چالوں سے ہوشیار رہنے، اور اس کے شر سے بچنے کے لئے خدائے واحد کا سہارا لینے، اور اس کی پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔رہا اس سورہ کا پورے قرآن کے لئے محافظ اور پاسبان ہونا، تو جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے لَا یَاتِیۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِهٖ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ (باطل نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ اس ہستی کی طرف سے نازل ہوا ہے جو حکمت اور کمالات سے متصف ہے) (حم السجدہ۔۴۲)۔ مُعَوِّذَتَین کو اخیر میں رکھ کر شیطان کے نفوذ کی تمام راہیں بند کردی ہیں۔اس لئے کلام الٰہی میں شیطانی کلام کے خلط ملط اور باطل کے گڈ مڈ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا۔بالفاظ دیگر یہ سورہ اس بات کی ضمانت ہے کہ یہ کتاب، شیطان اور اس قماش کے انسانوں کی دخل اندازیوں سے قیامت تک کے لئے محفوظ رہے گی۔اس میں کسی قسم کی آمیزش یا تحریف ممکن نہیں ہے۔وہ ہمیشہ کے لئے اپنی اصل شکل میں باقی رہنے والی کتاب ہے۔

سُوۡرَةُ النَّاسِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾

مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾

اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ الۡخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾

الَّذِىۡ يُوَسۡوِسُ فِىۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾

مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

۱۱۴۔ سُوۡرَةُ النَّاسِ

آیات:۶

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ کہو ا ؎ ، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی، ۲ ؎

۲ انسانوں کے بادشاہ کی، ۳ ؎

۳ انسانوں کے معبود کی، ۴ ؎

۴ وسوسہ ڈالنے والے، خناس (چھپنے والے) کے شر سے، ۵ ؎

۵ جو لوگوں کے سینوں (دلوں) میں وسوسے ڈالتا ہے، ۶ ؎

۶ جو جنوں میں سے بھی ہوتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ ۷ ؎

۱۔ اس کے اوّلین مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اور لفظ قُلْ (کہو) سے سورہ کا آغاز اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کلام وحی ہے۔اور خدائے تعالیٰ نے آپ کو جن الفاظ میں پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا ٹھیک ٹھیک، ان ہی الفاظ میں آپ نے لوگوں تک پہنچا دیا۔ان میں سے کوئی لفظ بھی حتی کہ قُل (کہو) کا لفظ بھی آپ نے ساقط نہیں فرمایا۔یہ قرآن کے لفظ بہ لفظ وحیِ الٰہی ہونے کا صریح ثبوت ہے۔

۲۔ انسانوں کا رب یعنی تمام لوگوں کا پروردگار اور مالکِ حقیقی۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو خدا انسانوں کا رب ہے وہی پناہ دہندہ بھی ہے۔اس کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے اس لئے میں پناہ کے لئے اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

زبور میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون ہے:

''اے خدا! میری حفاظت کر کیوں کہ میں تجھ ہی میں پناہ لیتا ہوں۔میں نے خداوند سے کہا ہے تو ہی رب ہے۔تیرے سوا میری بھلائی نہیں۔''

(زبور ۱۶: ۱، ۲)

واضح رہے کہ اَعُوْذُ کے لفظی معنی پناہ لینے کے ہیں، جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ بندہ، خدا سے نہ صرف پناہ مانگتا ہے، بلکہ عملاً اس نے اپنے آپ کو اسی کی حفاظت میں دے دیا ہے اور اسی کا سہارا لے لیا ہے۔چوں کہ معوذتین دعائیہ سورتیں ہیں اور اردو محاورہ میں ایسے موقع پر پناہ مانگنا بولا جاتا ہے، اس لئے ہم نے لفظ اعوذ کا ترجمہ ''میں پناہ مانگتا ہوں'' کیا ہے۔

۳۔ یعنی چونکہ خدا، انسانوں کا بادشاہِ حقیقی ہے اس لئے وہ بندوں کی حفاظت پر پوری طرح قادر ہے، اس لئے میں اسی مقتدرِ اعلیٰ کا سہارا لیتا ہوں۔

اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا اقتدارِ اعلیٰ جس طرح زمین اور آسمانوں پر قائم ہے، اسی طرح پورے بنی نوع انسان پر بھی قائم ہے۔انسانی گروہوں میں سے کوئی گروہ ایسا نہیں جس پر اس کی بادشاہت قائم نہ ہو۔اس لئے کسی گروہ کا اپنے آپ کو اس کی بادشاہت سے آزاد سمجھ لینا ایک خلافِ واقعہ بات ہے۔اس سے حقیقت تو نہیں بدلتی البتہ انسان کا طرزِ عمل غلط ہو کر رہ جاتا ہے۔یعنی وہ اپنے دائرۂ عمل میں سرکش بن کر رہ جاتا ہے۔

۴۔ یعنی حقیقتاً تمام انسانوں کا معبود اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اس کے رب اور بادشاہ ہونے کا تقاضا بھی ہے۔یہ اور بات ہے کہ لوگوں نے اس حقیقت سے انحراف کر کے غیر اللہ کو معبود بنا لیا ہو۔عبادت کی مستحق تنہا اللہ ہی کی ذات ہے اور اس کائنات میں معبود یعنی عبادت کے لائق ہونا تنہا اسی کی صفت ہے۔اور وہی ہے جس کی عبادت آسمانوں میں بھی کی جاتی ہے اور زمین میں بھی، اس لئے انسانوں کا معبود بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کو، رب، مَلِک (بادشاہ) اور الٰہ (معبود) مان کر، جب بندہ اس سے پناہ کی درخواست کرتا ہے تو وہ اسے قبول فرماتا ہے۔بالفاظ دیگر دعائے تعوذ کی قبولیت کے لئے توحید شرط لازم ہے۔

۵۔ وسوسہ کے معنیٰ بُری بات اور بُرے خیال کے ہیں، جو غیر محسوس طریقہ پر کسی کے دل میں ڈالا جائے۔اور وسواس کے معنی ہیں وسوسہ اندازی کرنے والا۔یہ شیطان کی صفت ہے اور اس کی دوسری صفت خناس ہے، جو خنوس سے ہے اور جس کے معنی چھپنے، غائب ہو جانے اور پیچھے ہٹنے کے ہیں۔نیز اس کے ایک معنی انقباض (سکڑنے) کے بھی ہیں۔

شیطان جب انسان کو کسی گناہ پر آمادہ کرنا چاہتا ہے، تو وہ گناہ کے کام کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے اور خوش گوار نتائج کی امید دلاتا ہے۔یہی چیز وسوسہ کی شکل میں انسان کے دل میں داخل ہوتی ہے، اور جب وہ اس کے اثر کو قبول کرتا ہے، تو یہ خیال پختہ ہو کر ارادہ اور عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔سب سے پہلی وسوسہ اندازی شیطان نے آدم وحوا پر کی تھی:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ

اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخَالِدِيْنَ۔۔۔۔۔۔ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۔ (الاعراف ۲۰، ۲۱)

''پھر شیطان نے ان پر وسوسہ اندازی کی تاکہ ان کی شرمگاہیں، جو ان سے پوشیدہ رکھی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے۔ اور کہا کہ تمہارے رب نے تم کو اس درخت سے اس لئے روکا ہے کہ تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں حیاتِ جاوداں حاصل نہ ہو جائے۔ اس نے قسم کھا کر ان سے کہا میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

یہ شیطان کی وسوسہ اندازی کی واضح مثال ہے کہ کس طرح شیطان خیر خواہ بن کر آتا ہے، اور گناہ کی ترغیب کیسے پُرفریب انداز میں دیتا ہے۔ آدم وحوّا کے سامنے گو شیطان نمودار ہو گیا تھا۔ لیکن دنیا میں اس کی وسوسہ اندازی چھپے دشمن کے حملہ کی طرح ہوتی ہے، اس لئے آدمی کو اس کی وسوسہ اندازی کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ اپنے دل میں وہ بُرے خیالات محسوس کرنے لگتا ہے۔ لیکن ان خیالات کو قبول کرنا یا نہ کرنا انسان کے اپنے فیصلہ پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر وہ بیدار اور اپنے دشمن کی طرف سے چوکنا ہو تو شیطانی وساوس کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔ اور اگر غافل ہو تو اثر قبول کرتا ہے۔ اور انسان کا قلب اسی صورت میں بیدار رہتا ہے جب کہ اس میں خدا کی یاد بس گئی ہو۔ ذکرِ الٰہی انسان کی مدافعت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس ہتھیار کو استعمال کر کے جب وہ دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہے تو وسوسے بے اثر ہو کر رہ جاتے ہیں اور شیطان کو ناکام لوٹنا پڑتا ہے۔ آیت کا منشاء شیطان کی ان چھپی کارروائیوں سے ہے، جو وہ انسان کے خلاف کرتا ہے، متنبہ کرنا ہے تاکہ انسان اپنے دشمن کی طرف سے چوکنا رہے اور اپنی مدافعت کا سامان کرے۔

یہ تو آیت کے مفہوم کا عمومی پہلو ہے۔ رہا محلِ کلام کے لحاظ سے خصوصی پہلو تو یہاں خاص طور سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اہل ایمان کو قرآن کی شکل میں جو ہدایت عطا ہوئی ہے، اس کے لئے سب سے بڑا خطرہ اگر کوئی ہے تو وہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہی ہے۔ یعنی وہ ایسی باتیں دل میں ڈال سکتا ہے، جو قرآن کے معاملہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والی اور راہ ہدایت سے منحرف کر دینے والی ہوں۔ خاص طور سے عقیدۂ توحید جو دین کی اساس اور قرآن کی اصل روح ہے، شیطان کی ریشہ دوانیاں اس کے خلاف ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اس دشمن کی شاطرانہ چالوں سے ہوشیار رہنے اور اپنے دین اور عقیدہ کی حفاظت کا سامان کرنے کی ضرورت ہے۔

۶۔ دلوں میں وسوسے ڈالنا اردو محاورہ کے لحاظ سے ہے، ورنہ اصل میں لفظ صدور استعمال ہوا ہے جو صدر کی جمع ہے۔ اور جس کے معنی سینہ کے ہیں۔ شیطان کی وسوسہ اندازی کا محل انسان کا باطن یعنی اس کا سینہ ہے۔ سینہ دل کے لئے بمنزلۂ دہلیز کے ہے جہاں سے وسوسے دل میں داخل ہوتے ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اس کی بڑی اچھی تشریح کی ہے۔

''یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے يُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (جو انسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے) فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ کیوں کہ سینہ دل کا صحن اور اس کا گھر ہے جہاں سے واردات دل تک پہنچتے ہیں۔ یعنی پہلے سینہ میں مجتمع ہوتے ہیں پھر دل میں داخل ہوتے ہیں۔ لہٰذا سینہ دل کے لئے بمنزلۂ دہلیز کے ہے۔ اور تمام احکام اور ارادے دل سے نکل کر سینہ میں آتے ہیں اور پھر وہاں سے ان کی تقسیم اس کے لشکروں (معاونین) پر ہوتی ہے''۔ (تفسیر المعوذتین لابن قیم۔ ص ٦٦)

یعنی وسوسے دل میں براہ راست داخل نہیں ہوتے بلکہ سینہ کے واسطہ سے داخل ہوتے ہیں۔ گویا شیطان کے تیر سینہ میں پیوست ہو جاتے ہیں اور ان کا زہریلا اثر دل پر اسی وقت ہوتا ہے جب کہ دل غفلت کی نیند سو رہا ہو۔ ورنہ اگر دل ذکر الٰہی سے بیدار ہو تو وہ مدافعت کر لیتا ہے اور اس کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔

۷؎ یعنی وسوسہ اندازی کرنے والا شیطان محض ابلیس ہی نہیں ہے بلکہ جنوں اور انسانوں میں ایسے شیاطین بہ کثرت موجود ہیں جو یہ کام کرتے رہتے ہیں۔

وَکَذَالِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ (الانعام : ۱۱۲)

’’اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے، جو فریب دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں خوشنما باتیں ڈالتے ہیں۔

جہاں تک شیاطینِ جن کی وسوسہ اندازی کا تعلق ہے ان کا چھپ کر حملہ آور ہونا بالکل واضح ہے۔ رہے شیاطینِ انس تو وہ بھی جب وسوسہ اندازی کرتے ہیں تو اپنے اصلاً شیطان ہونے کی حیثیت کو چھپا کر ہی کرتے ہیں، چنانچہ وہ انسان کے خیر خواہ بن کر نمودار ہوتے ہیں کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا کوئی خیال اور ان کا کوئی مشورہ کسی کے لئے اسی صورت میں قابل قبول ہوسکتا ہے، جب کہ ایک ناصح اور ایک خیر خواہ کی حیثیت سے وہ سامنے آئیں۔ اگر وہ اپنے اصل روپ یعنی شر پسند کی حیثیت سے سامنے آئے، تو کوئی شخص بھی ان کی طرف توجہ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ شر پھیلانے کے تعلق سے اصل کردار شیاطینِ جن کا ہے۔ جن کا سرغنہ ابلیس ہے۔ رہے شیاطین انس تو وہ ان ہی کے تابع ہیں۔

اشاریہ

ا

اللّٰہ

............معبود واحد ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶
............کی نصرت ۲، ۴
............غالب ہے ۲، ۴، ۱۲، ۳۴، ۴۴
۵۲، ۱۱۶، ۱۳۴، ۱۴۶، ۱۵۶، ۱۶۸، ۲۳۴، ۲۵۸، ۲۶۴
۸۰۰، ۳۳۴، ۳۷۴، ۴۴۰، ۴۸۴، ۴۹۲، ۶۳۸
۶۵۰، ۶۷۰، ۶۸۲، ۶۸۸، ۷۰۴، ۷۱۶، ۷۳۶، ۷۶۸
............رحمت والا ۲، ۴، ۵۲، ۱۱۰، ۱۱۶، ۱۶۸، ۲۸۶، ۳۳۰
۳۷۴، ۴۲۶، ۴۴۰، ۴۸۸، ۵۰۴، ۵۱۶
............کی آیتوں کو جھٹلانے کا انجام ۸، ۹
............کی تسبیح ۸، ۹
............کی حمد ۸، ۹، ۴۴۴، ۷۳۴
............واحد وقہار ۲۵۸، ۲۵۹
............کا زندہ کو مردہ سے نکالنا ۸، ۹
............حکمت والا ۱۲، ۳۴، ۳۶، ۶۶، ۲۶۴، ۳۳۰، ۳۴۸
۴۳۴، ۴۴۸، ۴۸۴، ۴۸۶، ۵۰۸، ۸۸۹، ۸۹۳
۹۲۲،
.... کا رزق کو تنگ اور کشادہ کرنا ۱۶، ۲۰
.... آسمان اور زمین کی موجودات کا مالک ۲۵۸، ۳۶۲
۸۹۴
.... نہایت باریک بیں ۳۸، ۲۷۷، ۳۷۷
............باخبر ۳۸، ۴۰، ۴۸، ۱۵۶، ۳۷۸
۵۰۸، ۶۴۲، ۶۶۰، ۷۳۴، ۷۷۲، ۱۰۴۸، ۱۰۵۰
............حمد کا مستحق ۴۴، ۴۵، ۱۱۶، ۲۳۰، ۲۳۱،
۴۴۰، ۹۵۰، ۱۱۰۲،
............بے نیاز ۴۴، ۲۶۸
............سننے اور دیکھنے والا ۴۸، ۴۹، ۱۵۶، ۲۵۸، ۳۰۶، ۳۱۸
۳۴۲، ۵۰۴، ۵۱۶، ۶۶۰، ۹۵۰، ۱۰۲۶
............بلند و برتر ۴۸، ۴۹، ۱۳۴، ۳۰۲، ۳۶۲
۵۲۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۱۱۱۰، ۱۱۱۲
............کیلئے اطاعت کو خالص کرنا ۴۸، ۴۹
............کی نافرمانی سے ڈرنے کی تاکید ۴۸
............فیاض ۲۳۴
............عرش پر بلند ۵۲، ۵۳
............کے سوا کوئی کارساز نہیں ۵۲، ۳۶۲، ۳۷۸، ۴۶۸
............کا تدبیر امر کرنا ۵۲، ۵۳
............معاف کرنے والا ۱۱۰، ۲۸۰، ۳۰۰، ۳۱۳، ۳۴۲
۳۴۸، ۳۶۲، ۳۷۸، ۴۴۸، ۴۸۸، ۵۰۴، ۵۱۶
۶۵۴، ۶۶۰
............بخشنے والا ۱۱۶، ۱۵۶، ۶۶۰، ۷۰۰، ۷۳۶
۷۶۸، ۸۱۲، ۸۴۰، ۹۵۴
............خوبیوں والا ۱۱۶، ۳۴۸، ۳۶۲، ۳۷۸، ۳۸۰
............بہترین رازق ۷۰، ۱۳۸، ۱۳۹، ۵۴۸، ۷۲۰
............خالق ۱۴۶، ۱۴۷، ۲۸۲، ۲۹۰، ۳۱۸
۳۶۶، ۳۹۲، ۴۱۶، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۲۶
............انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ۱۹۴، ۱۹۵
............ہی رب ہے ۱۵۲، ۲۶۴، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۳۰، ۴۲۰
۴۴۴، ۹۴۲، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۸۰، ۱۰۰۸، ۱۰۱۴، ۱۰۲۶،
۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۳، ۱۰۴۸، ۱۰۷۰
............ہی کی بادشاہی ہے ۱۵۲، ۱۵۳، ۶۳۸، ۶۸۶
۶۸۸، ۷۱۶، ۷۳۴، ۷۶۸
............کے سوا سب بے اختیار ۱۵۲، ۱۵۳

............کے سوا کوئی پکار سننے والا نہیں ۱۵۲، ۱۵۳
............قدرداں ۱۵۶، ۱۵۸، ۷۳۶
............غیب کا جاننے والا ۱۶۰
............حلیم و غفور ۱۶۴، ۱۶۵
.... اللہ کے ہاتھوں کے بارے میں تاویل کرنا صحیح نہیں
۱۹۰، ۱۹۲
............کی طرف لوٹائیں جائیں گے ۱۹۴، ۱۹۵، ۹۷۶، ۹۷۷
............رب العزت ۲۳۰، ۲۳۱
............کا بیٹا یا اولاد ہونے کا باطل تصور ۲۶۴، ۲۶۶، ۳۹۴،
۴۱۶، ۴۱۷، ۱۱۱۰، ۱۱۱۳
............فرمانروا ۲۶۴، ۳۸۸، ۴۰۶، ۴۸۸
............کے سوا کوئی الٰہ (خدا) نہیں ۲۶۴، ۲۶۶، ۳۰۰، ۳۳۰
۳۳۱، ۴۲۰، ۴۷۰، ۶۸۶، ۶۸۷، ۷۱۶
............کی ناشکری ۲۶۹
............کا ہمسر ٹھہرانے کا مطلب ۲۶۹
............علم والا ۵۲، ۶۶، ۱۱۶، ۱۸۰،
۳۰۰، ۳۳۴، ۴۸۴، ۵۰۴، ۵۰۸، ۹۲۲، ۹۶۴
............دلوں کے بھید جاننے والا ۳۷۸
............توبہ قبول کرنے والا ۳۰۰، ۳۷۸، ۱۱۰۰، ۱۱۰۲
............سزا دینے والا ۳۰۰، ۳۴۸، ۶۷۴
............فضل والا ۳۰۰، ۳۰۱، ۶۵۰، ۶۵۴، ۷۱۶
............عرش کا مالک ۳۰۲، ۴۱۶، ۹۲۴، ۹۵۵
............قوت والا ۳۰۲، ۳۷۴، ۵۴۸، ۶۵۰، ۶۷۰
............کی آیتوں میں کسی دلیل کے بغیر جھگڑنا ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴
.... زندگی بخشنے والا اور موت دینے والا ۳۲۴
.... رحمٰن ۳۳۰، ۳۹۴، ۴۰۲، ۴۱۶، ۶۰۲، ۶۸۶،
۷۷۶، ۸۹۴
............کی منصوبہ بندی ۳۳۴، ۹۶۶، ۹۸۱
............کو اپنا رب کہنے کا مطلب ۳۴۳
............کی آیتوں میں ٹیڑھ نکالنے کا مطلب ۳۴۳
.... ظلم کرنے والا نہیں ۳۵۲، ۵۲۸، ۵۲۹
.... ہی کو قیامت کی گھڑی کا علم ہے ۳۵۵
.... وحی کے ذریعہ کلام کرتا ہے ۳۸۸، ۳۸۹
............آسمانوں اور زمین کے لشکروں کا مالک ۴۸۴، ۵۰۴
............کی سنت میں تبدیلی نہیں ۴۹۱، ۴۹۷
............انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ۵۲۲، ۵۲۵
............اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی ممانعت ۵۰۴، ۵۰۵
............سے بے دیکھے ڈرنا ۵۲۸، ۵۲۹
............علم و حکمت والا ۵۴۰، ۶۳۸، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۹۰، ۷۰۴
۷۱۶، ۷۳۶، ۷۵۴، ۸۷۴
............زور آور ہے ۵۴۸، ۵۴۹
............محسن ۵۵۸
............رحیم ۵۵۸، ۶۴۲، ۶۵۴، ۶۸۶، ۷۰۰، ۷۳۶، ۸۴۰
.... لفظ رحمٰن کی تشریح ۶۰۳
.... کے کمالات ۶۰۸، ۶۱۰
.... جلال اور بزرگی والا ۶۱۴، ۶۱۶
............رب العلمین ۶۲۸، ۹۲۴، ۹۳۴، ۹۳۵
............ساری چیزیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں ۶۳۸، ۶۷۴، ۶۸۶
۷۰۴، ۷۱۶، ۷۳۴
............زندہ کرنے اور مارنے والا ۶۳۸
............شفیق ۶۴۲، ۶۷۸
............سب دیکھتا ہے ۶۳۸، ۷۳۴
.... اول و آخر اور ظاہر و باطن ۶۳۸
.... ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ۶۳۸، ۷۳۴، ۷۵۴
۷۶۴، ۷۶۸
.... شاہد ۶۶۰
.... سرگوشیوں کو سنتا ہے ۶۶۴
.... قدوس ۶۸۶، ۶۸۸
.... سراسر سلامتی ۶۸۶، ۶۸۸
.... امن دینے والا ۶۸۶، ۶۸۸

........حفاظت کرنے والا ۶۸۶، ۶۸۸

........جبار (زبردست) ۶۸۶، ۶۸۸

........کبریائی والا ۶۸۶، ۶۸۸

........پاک ہے ان چیزوں سے جن کو لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں ۶۸۶، ۶۸۸

........پیدا کرنے والا ۶۸۶، ۶۸۹

........موجد ۶۸۶، ۶۸۹

........کو بھول جانے کا مطلب ۶۸۴

........بردبار ۷۴۲، ۷۴۳

........غائب اور حاضر کا جاننے والا ۷۴۲

........بڑا بابرکت ۷۶۸

........کے آسمان میں ہونے کا مطلب ۷۱۳

........مشرقوں اور مغربوں کا رب ۱۵۲، ۱۵۳، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۳۶

........اسی کا ہو رہنا ۸۳۶، ۸۶۷

........اللہ کی رویت قیامت کے دن ۸۶۲، ۸۶۳

........کے حضور جھکنا ۸۸۶، ۸۸۷

........کے نام کا ذکر کرنا ۸۷۰، ۸۷۲، ۹۶۸، ۹۶۹

........کی بڑائی بیان کرنا ۸۴۶، ۸۴۷

........مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ۸۶۲، ۸۶۴

........کی قدرت ۸۸۹، ۸۹۳، ۹۰۰، ۹۱۳، ۹۲۲، ۹۶۱

........کی ربوبیت ۸۸۹، ۸۹۲، ۸۹۳، ۹۰۰، ۹۶۶

........کی عظمت وجلالیت ۹۵۴، ۹۵۵

........کی حکومت واقتدار ۱۹۴، ۹۲۲، ۹۵۰، ۱۰۲۰، ۱۰۲۴

........کا یکتا ہونا ۱۱۱۰، ۱۱۱۱

........انسانوں کا رب ۱۱۱۴، ۱۱۱۵

........انسانوں کا بادشاہ ۱۱۱۴، ۱۱۱۵

........انسانوں کا معبود ۱۱۱۴، ۱۱۱۵

........کسی کی اولاد نہیں ۱۱۱۰، ۱۱۱۳

........کی برابری کا نہیں ۱۱۱۰، ۱۱۱۴

........ملجا (پناہ کی چٹان) ۱۱۱۰، ۱۱۱۴

........صمد ۱۱۱۴

........پناہ دہندہ ۱۱۱۷، ۱۱۱۸

........صبح کا رب ۱۱۱۶، ۱۱۱۷

........کے ہاتھ میں سارے اختیارات ۸۹۵، ۸۹۶

........رب اعلیٰ ۹۶۴، ۹۶۵، ۱۰۰۲

........کا کریم ہونا ۱۰۲۸

........زبردست ۹۵۴

........محبت کرنے والا ۹۵۴، ۹۵۵

........کے نام ۹۵۵

........کی معرفت ۹۵۵

........کا فرشتوں کے جلو میں آنا ۹۸۴، ۹۸۶

........احکم الحاکمین ۱۰۲۰، ۱۰۲۴

........حساب لینے والا ۹۷۶، ۹۷۷

........کی حجت ۱۰۹۵

........کے وفادار بندے ۹۰۴

........کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرنا ۹۰۲

........کے حضور جوابدہی کا تصور ۹۰۴

آخرت

۱۸، ۸۴۳، ۹۰۲، ۹۶۴، ۹۶۸، ۱۰۰۲، ۱۰۰۴، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۵

........سے غافل ۲

........کا انکار ۲، ۵، ۱۲۰، ۳۳۰

........پر یقین رکھنا ۳۴

........میں کن لوگوں کا حصہ ہے ۳۴، ۳۶

........صرف متقیوں کے لئے ۴۰۲، ۴۰۳

........نجاتِ اخروی ۷۱۰، ۷۱۱

........کا عذاب ۷۸۴

........سے بے خوف ہونا ۸۵۴، ۸۵۵

........کو چھوڑ دینا ۸۶۲، ۸۶۳

آسمان ۸۹۲، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۲۱، ۹۵۱، ۹۵۸، ۹۷۶

............آسمانوں اور زمین کی پیدائش با مقصد ۲، ۲۴۲، ۲۴۶

............آسمانوں اور زمین کی پیدائش چھ دنوں میں ۵۲، ۵۳، ۶۳۸

............سات بنائے ۳۳۱، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۶۸، ۸۹۰، ۸۹۳

............آسمان وزمین کا مادہ ۳۳۲

............کی وسعت ۵۴۴، ۵۴۵

............کو بلند کیا ۶۰۲، ۶۰۳

............آسمانوں وزمین کی حدود سے باہر نکل نہ جاسکنے کا مطلب ۶۱۱

............آسمانوں وزمین کی تخلیق مقصدِ حق کیلئے ۷۳۴، ۷۳۵

............سائنس کی رسائی پہلے آسمان تک بھی نہیں ۷۶۹

............سرکش شیطان سے محفوظ ۱۹۸، ۱۹۹

............کی تخلیق ۸۹۰، ۹۰۲، ۹۰۳

............کا پھٹنا ۹۲۸، ۹۳۱

............کیا سائنس کی رو سے آسمان کا وجود نہیں ہے ۹۴۳

............کی قسم کھانے کا مطلب ۹۵۱، ۹۹۷

............کی کھال کھینچ لی جائے گی ۹۱۸

............محض حدِ نظر نہیں ۹۴۳

............سائنسداں کائنات کی پہنائیوں کو ناپنے سے قاصر ۹۴۳

ابراهیم (علیه السلام)

۹۶۴، ۹۶۸، ۱۰۲۲، ۱۰۹۶

............کا قلب سلیم ۲۱۲، ۲۱۳

............کی طرف سے شرک کی مخالفت ۲۱۲، ۲۱۳

............کا تاروں پر نظر ڈالنا ۲۱۲، ۲۱۳

............کی بت شکنی ۲۱۲، ۲۱۳

............دہکتی آگ میں سلامت رہے ۲۱۲

............کا بیٹے کو ذبح کرنے کا خواب ۲۱۶، ۲۱۷

............قوتِ عمل اور بینائی رکھنے والے ۲۵۴، ۲۵۵

............آخرت کے لئے خالص ۲۵۴، ۲۵۵

............کی شرک سے بیزاری ۳۹۸

............کے پاس فرشتوں کا مہمان بن کر آنا ۵۴۰، ۵۴۲

............نے اپنا قول پورا کیا ۵۷۸، ۵۸۰

............کے صحیفے ۵۷۸، ۵۸۰

............کی نسل میں نبوت اور کتاب ۵۶۰، ۵۶۲

............اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ۶۹۲، ۶۹۴

............کا قوم سے اعلان برأت ۱۰۹۶

ابلیس ۱۲۶، ۱۲۷، ۲۶۰، ۲۶۱

ازواجِ مطهرات ۶۶، ۶۹، ۹۹، ۱۰۱

............واقعۂ تخییر ۷۸، ۸۰

............کو خطاب کر کے احکام ۷۸، ۸۱، ۸۲، ۸۳

............اہل بیت میں شامل ۸۴، ۸۵

............سے پردہ کے پیچھے سے مانگنا ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۳

اسلام

............دینِ فطرت ۱۶، ۱۷

............دینِ اسلام میں تفرقہ ڈالنا ۱۶، ۱۷

............دینِ قیم ۱۶، ۱۷

............کے لئے سینہ کا کھل جانا ۲۷۴، ۲۷۵

............اور ایمان کا فرق ۵۱۶، ۵۱۷

............محض ظاہری اسلام ۵۱۷

............کا معاشرتی نظام خرابیوں سے پاک ۵۱۴

............کی طرف دعوت ۷۰۴، ۷۰۹

............کو تمام دینوں پر غالب کرنا ۷۱۰

............دینِ حق ۸۲۹

............مہد سے لحد تک کا دین ۹۱۳

............کو افیون قرار دینے والے ۹۴۰

............کا غلبہ ۱۱۰۲

اسمٰعیل (علیہ السلام) ۹۱۱، ۱۰۷۹

............ذبیح ہیں نہ کہ اسحاق ۲۱۶، ۲۱۸

............قربانی کا اصل مقام ۲۱۸

............نیک بندے ۲۵۴

اسحاق (علیہ السلام) ۲۱۶، ۲۱۹

...........قوتِ عمل اور بینائی رکھنے والے ۲۵۴،۲۵۵

...........آخرت کے لئے خالص ۲۵۴،۲۵۵

...........ذی علم فرزند ۵۴۰،۵۴۲

اصحاب القریۃ (بستی والوں کا قصہ)

۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴،۱۷۶،۱۷۷

الیاس (علیہ السلام) ۲۲۰،۲۲۱

الیسع (علیہ السلام) ۲۵۴

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ۳۸،۴۱

انسان

...........کی پیدائش مٹی سے ۸،۱۰،۵۲،۵۴،۱۵۰

...........کمزور حالت میں پیدا کیا گیا ۲۶،۲۷

...........کی نسل کا سلسلہ ۵۲،۵۴

...........میں روح کا پھونکا جانا ۵۲،۵۴،۲۶۰

...........کے بار امانت اٹھانے کا مطلب ۱۱۴

...........انسان میں رنگوں کا اختلاف ۱۵۶،۱۵۷

...........زمین پر خلیفہ ۱۶۰

...........قرآن میں انسان کو اللہ کا خلیفہ کہیں نہیں کہا گیا ۱۶۳

...........اللہ کی تخلیق کا شاہکار ۲۶۱

...........کی پیدائش تین تاریکیوں کے درمیان ۲۶۴،۲۶۶

...........کی تخلیق کے مراحل ۳۲۲،۳۲۳

...........انسانی وحدت اور قومیں اور قبیلے ۵۰۸،۵۱۱

...........معیارِ شرف ۵۰۸،۵۱۳

...........انسان اور انسان کے درمیان رنگ و نسل اور قوم و وطن کی بنا پر تفریق ۵۱۴

...........اونچ نیچ کا غلط تصور ۵۱۴

...........کی پیدائش کا مقصد ۵۴۴،۵۵۰،۸۶۶،۸۶۷

...........کیلئے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی ۵۷۸،۵۸۱
۱۰۰۲، ۱۰۰۳

...........کو بولنا سکھایا ۶۰۲، ۶۰۳

...........بے صبرا پیدا کیا گیا ہے ۸۰۴،۸۰۵

...........اپنے اوپر حجت ۸۵۸، ۸۶۰

...........کو کیا یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ ۸۶۲، ۸۶۴

...........کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ۸۶۶،۸۶۷

...........کی پیدائش حقیر پانی سے ۸۶۲، ۸۶۳،۸۶۶،۸۶۷،۸۷۸،۸۸۰

...........مشقت کی حالت میں پیدا ہونا ۹۹۱

...........کی فطرت ۱۰۵۰

...........مشقت اور تکلیفوں میں انسان کی عظمت کا راز ۹۹۰،۹۹۱

...........کو بہترین ساخت پر پیدا کرنے کا مطلب ۱۰۲۰،۱۰۲۲

...........کی گراوٹ کی مثال ۱۰۲۳، ۱۰۲۴

...........کی سرکشی ۱۰۲۸،۱۰۲۹

...........کی زندگی کے لئے خدائی منصوبہ ۹۶۶،۹۸۱

...........کی نیکی و بدی کا شعور ۹۹۸

...........کی تخلیق ۹۱۲، ۹۱۳،۹۲۸،۹۵۸، ۹۶۴،۱۰۲۸

...........کا اپنے رب کی طرف کشاں کشاں جانا ۹۴۲، ۹۴۴

...........کے سفر کی آخری منزل ۹۴۴

...........اتفاقی حادثہ نہیں ۹۶۶

...........کا پستی کے آخری گڑھے میں گرنا ۱۰۲۳، ۱۰۲۴

...........کا عروج کو پہنچنا ۹۹۲، ۹۹۳

...........کی کوشش ۱۰۰۲، ۱۰۰۳

...........گھاٹے میں ۱۰۶۰

انفاق ۱۵۶،۱۵۸،۱۸۰، ۱۸۲، ۳۸۲،۳۸۵،۴۷۸،۴۷۹

...........کی ترغیب ۷۲۶، ۷۳۲، ۷۳۶،۶۳۸
۶۴۰، ۶۴۲، ۸۴۰،۸۴۳

...........قرض حسن ۶۴۳

اهل ایمان

۹۳۸،۹۹۰، ۱۰۲۰، ۱۰۲۴، ۱۰۶۰، ۱۱۰۲

...........کی نصرت ۲۲، ۲۴

...........کے اوصاف ۸۲،۸۶،۳۸۲، ۳۸۳

...........کو فیصلہ کا حق نہیں رہتا جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کردے ۸۲،۸۷

............کو اذیت دینا ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷
............کیلئے مغفرت ۱۴۶
............کیلئے اجر ۳۳۰، ۳۳۱
............ایمان پر استقامت اختیار کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول ۳۴۲، ۳۴۳
............کی برائیاں دور کردی جاتی ہیں ۴۶۴، ۴۶۵
............ایمان پر استقامت ۴۵۲
............کی باطنی خصوصیات ۵۰۷
............کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ۹۴۶، ۹۴۷
............مردوں اور عورتوں پر ظلم ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲
............کا نیک انجام ۹۷۲
............ایمان کے ساتھ عمل صالح ۱۰۶۱
............کا اصل نصب العین ۱۱۰۲

اَیکہ والے ۲۳۸، ۵۲۴

ایوب (علیہ السلام)
............کا تکالیف میں مبتلا ہونا ۲۴۸، ۲۵۲
............کی صحت یابی کیلئے ٹھنڈے پانی کا چشمہ ۲۴۸، ۲۵۲
............پر اللہ کی بخشش ۲۵۴، ۲۵۵
............کے لئے قسم کو پورا کرنے میں خاص تخفیف ۲۵۴، ۲۵۵
............رجوع کرنے والے ۲۵۴، ۲۵۵
............کے مرض کے بارے میں عجیب وغریب قصے ۲۵۲

ایمان
............میں اضافہ ۴۸۴، ۴۸۶
............وہی معتبر ہیں جو دل میں ہو ۵۱۶، ۵۱۷
............لانے کی دعوت ۶۳۸، ۶۴۰

اطاعت
............اللہ کی اور اس کے رسول کی کرنے کی تاکید ۴۷۴، ۴۷۶، ۴۷۷
۶۶۶، ۶۶۷، ۷۳۶

استغفار ۱۱۰۰، ۱۱۰۲
............کی ہدایت ۳۱۸، ۳۱۹، ۴۷۰، ۴۷۲، ۸۴۰، ۸۴۳

............نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار ۴۷۲
............سحر کے اوقات میں ۵۳۶، ۵۳۹

احرام
............میں بال منڈوانا اور کتروانا ۴۹۶، ۴۹۸

انابت ۵۲۸، ۵۲۹

اہل مذاہب
............کی مقدس کتابیں کیا آسمانی ہیں؟ ۴۴۹

ایصالِ ثواب
............ایک غلط طریقہ کا رواج ۳۵۳
............کا طریقہ ثابت نہیں ۳۵۳، ۳۵۴
............حج کی نیابت ایک مخصوص حکم ہے ۳۵۴
............کا طریقہ صحابہ میں رائج نہ تھا ۳۵۴
............دعا پر ایصال ثواب کو قیاس کرنا صحیح نہیں ۳۵۵
............کے سلسلہ کی روایتیں ۳۵۴
............تعبدی امور میں قیاس اور اجتہاد جائز نہیں ۳۵۵
............کی رسم اور بدعتیں ۳۵۴، ۳۵۵
............کا دعویٰ بلا دلیل ۵۸۰، ۵۸۱
............کی تائید میں پیش کی جانے والی حدیثوں کا مطلب
۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳
............قرآن خوانی کی رسم ۵۸۳

امّ الکتاب ۳۹۲، ۳۹۳

ایّام اللہ سے مراد ۴۳۷

اُمّی
............امیوں میں رسول ۷۱۶، ۷۱۷

اللہ کے معنی ۶۸۷

اسمائے حسنیٰ
............کے بارے میں ضعیف حدیث ۶۸۹

اعمال ۹۲۰
............کا ریکارڈ ۵۹۵، ۵۹۸، ۹۰۴، ۹۲۰
۹۲۷، ۹۳۰، ۱۰۴۶

.........کا پارسل ۹۳۰

.........قیامت کے دن عملی زندگی کے مناظر کا پیش کیا جانا ۱۰۴۳،۱۰۴۶

.........زندگی کی بولتی فلم ۸۹۵

.........اچھے اعمال ۹۳۰

.........اعمال صالحہ کی حقیقت ۱۰۶۲

اعمال نامہ

.........داہنے ہاتھ میں ۷۹۸،۷۹۹

.........بائیں ہاتھ میں ۷۹۸،۷۹۹

آلاء کا مطلب ۶۰۵

اصحاب الیمین ۶۱۸،۶۱۹،۶۲۲،۶۲۸،۶۳۵

اصحاب المشئمہ ۶۱۸،۶۱۹،۶۲۲،۶۲۴

ابرار (نیک لوگ)

.........کے اوصاف ۸۶۶،۸۶۷،۸۶۸

.........کا صلہ ۸۶۶،۸۶۷،۸۶۸

احسان

.........زیادہ حاصل کرنے کی غرض سے نہ کرنا ۸۴۶،۸۴۸

.........بے لوث ہو کر کرنا ۸۴۸

انجیل برناباس

.........لائق اعتماد نہیں ۷۰۷،۷۰۸

.........میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشینگوئیاں ۷۰۷

اہل وعیال

.........اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچانے کی تاکید ۷۵۸،۷۶۱

انشاء اللہ نہ کہنے کا نتیجہ ۷۸۴،۷۸۵

آیات

.........کا انکار کرنے والے ۸۹۴،۹۹۰

آمنہ ۱۰۱۰

ابرھہ ۱۰۷۱،۱۰۷۲،۱۰۷۳

ابوجہل ۱۰۲۹

اصحاب الاُخدود (خندق والے) ۹۵۰،۹۵۱،۹۵۲

اصحاب الفیل (ہاتھی والے)

۱۰۷۰،۱۰۷۱،۱۰۷۲،۱۰۷۳

اُمیہ بن خلف ۹۱۱

اہلِ کتاب ۱۰۳۸،۱۰۳۹،۱۰۴۰

.........میں تفرقہ ۱۰۴۰

.........غلو کا شکار ۱۱۱۲

.........یہود کا عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دینا ۱۱۱۳

.........عیسائیوں کا مسیح کو بیٹا قرار دینا ۱۱۱۳

اونٹ ۹۷۶،۹۷۷

.........اونٹنی ۹۹۶،۱۰۰۰

اِرم ۹۸۰،۹۸۲

ام جمیل (ابولہب کی بیوی) ۱۱۰۴،۱۱۰۶،۱۱۰۷

.........کو حمالۃ الحطب کہنے کا مطلب ۱۱۰۶

.........کی گردن میں جواہرات کا ہار ۱۱۰۷

.........کی گردن میں آگ کی مضبوط رسی ۱۱۰۶

.........کے انجام سے عبرت ۱۱۰۷

ابولہب ۱۱۰۴،۱۱۰۵،۱۱۰۶

اُبی بن کعب ۱۰۳۷

اُپنیشد ۱۱۱۴

.........میں شرک کو فلسفہ بنا کر پیش کیا گیا ہے ۱۱۱۴

ایٹمی توانائی ۱۰۴۹

ابوطالب ۱۰۱۰

ب

باپ دادا کی اندھی تقلید ۴۴،۴۵،۱۷۰

بنی اسرائیل ۹۰۱،۹۶۸

.........کتاب کے وارث ۳۱۸،۳۱۹

.........کو فرعون سے نجات ۴۲۶

.........کو دنیا والوں پر فضیلت ۴۲۶،۴۲۷،۴۳۶

.........کا دین کے معاملہ میں اختلافات کرنا ۴۳۶،۴۳۸

............بدگمانی سے بچنا ۵۰۸، ۵۱۲

............برائی کو بھلائی سے دور کرنا ۳۴۲، ۳۴۵

............بارش سے مردہ زمین کا زندہ ہونا ۳۴۸، ۳۴۹، ۵۲۰

بدعت

............ایصالِ ثواب کی ۳۵۵

............کو رد کرنا ۳۶۷

............ہر بدعت گمراہی ہے ۶۵۶

............بدعتیں مسجدوں میں ۸۳۰

بیعت

............مشروع کون سی ہے ۴۸۹

............مرید بنانے کی بیعت بدعت ہے ۴۸۹، ۷۰۱

............بیعت رضوان ۴۹۲، ۴۹۳

بت پرستی ۵۷۵

............لات وعزّٰی اور مناۃ کے بت ۵۷۴، ۵۹۵

............تین مورتی ۷۷۵، ۱۱۱۱

............مشرکین ہند کے بت ۵۷۶

............قوم نوح کے بت ۸۱۶، ۸۱۷

............بت پرستی کا آغاز قوم نوح میں ہوا ۸۱۸

............بتوں کی گندگی سے دور رہنا ۸۴۶، ۸۴۸

............ہندوستان کے بت پرست ۱۱۱۳

............اوم ۱۱۱۲

............مہد برہما ۱۱۱۳

بخل ۱۰۰۲، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵

............کی مذمت ۶۵۰، ۶۵۱

بنی نضیر

............کا حشر ۶۷۴، ۶۷۵

بچوں کی تعلیم دینی شعور پیدا کرنے والی ۷۶۱

باغ والوں کا قصہ ۷۸۴، ۷۸۵

بدبخت ۹۹۶، ۱۰۰۲، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵

بددیانتی ۹۳۵

............اشیاء میں ملاوٹ ۹۳۵

برزخ ۸۹۱، ۹۳۶، ۹۳۹

بے نیازی ۱۰۰۲، ۱۰۰۴

بیت المقدس ۱۰۲۱

بیت اللّٰہ ۱۰۷۱، ۱۰۷۷

............پر ابرہہ کی فوج کشی ۱۰۷۴

............کا رب ۱۰۷۶

بروج ۹۵۰، ۹۵۱

بدکار گنہگار ۹۲۸، ۹۳۱، ۹۳۶

بَائبل

............میں آسمان کے درہم برہم ہونے کا ذکر ۹۳۰

............سورج کا تاریک ہونا ۹۳۰

............میں توحید کی تعلیم ۹۶۸، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳

............میں انجیر اور زیتون کا ذکر ۱۰۲۱

............میں زر پرستی کی مذمت ۱۰۶۶

............میں ریاکاری کی مذمت ۱۰۳۴

............زبور میں خدا کو پناہ کی چٹان کہا گیا ہے ۱۱۱۲

............اناجیل اربعہ میں مسیح کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔اس کی حقیقت ۱۱۱۲، ۱۱۱۳

............توریت سب سے قدیم کتاب ۱۱۱۲

پ

پاکیزگی

............اختیار کرنا ۱۵۲، ۱۵۳

............اختیار کرنے کا مطلب ۸۹۸، ۹۰۱

............حاصل کرنا ۹۱۰

پردے کے احکام

............تبرج ۸۲، ۸۳

............عورتوں کو اپنے اوپر چادر ڈالنے کا حکم ۱۰۴، ۱۰۷

............چہرہ اور ہاتھوں کا استثناء ۱۰۸

............کی مصلحت ۱۰۸

پیغمبروں پر سلام ۲۳۰،۲۳۱

پہاڑ

............پہاڑوں کو پیدا کرنے کی حکمت ۳۴

............مختلف رنگوں کے پہاڑ ۱۵۶،۱۵۷

............زمین کی میخیں ۸۹۲

............پہاڑ کا چلایا جانا ۸۹۴،۸۹۵،۹۱۸،۹۱۹،۱۰۵۳

............زمین کی گردش میں توازن پیدا کرنے کا موجب ۸۹۲

پونر جنم

............وہم کی بات ۵۳۸

پرندے ۱۰۷۰،۱۰۷۱،۱۰۷۲،۱۰۷۳

............کی سنگباری ۱۰۷۳

پناہ مانگنا

............کے معنی ۱۱۱۷

............مخلوق کے شر سے ۱۱۱۶،۱۱۱۷

............اندھیری رات کے شر سے ۱۱۱۶،۱۱۱۷

............گروہوں میں پھونکنے والے کے شر سے ۱۱۱۶،۱۱۱۷

............حسد کرنے والے کے شر سے ۱۱۱۶،۱۱۲۱

............خناس کے شر سے ۱۱۲۵

ت

تسخیر کے معنی ۴۵

تسبیح ۹۶۴،۹۶۵،۱۱۰۰،۱۱۰۲

............سے مراد ۹۴

............صبح وشام کرنے کی ہدایت ۸۸،۹۴

............کرنے کا حکم ۳۱۸،۳۱۹،۴۸۸،۴۸۹،۵۳۲،۵۳۳

۵۶۶،۵۶۷،۶۲۸،۶۲۹،۶۳۴،۶۳۵

۷۹۶،۸۰۰،۸۷۴،۸۷۵

............نماز کے بعد تسبیح ۵۳۳

............کی فضیلت حدیث میں ۵۳۳

تصویریں ۱۲۰،۱۲۲،۱۲۳

توحید ۱۰۴۰،۱۰۷۲،۱۱۰۹،۱۱۱۱

............کے دلائل اور نشانیاں ۱۲، ۱۳،۴۸،۴۹،۶۰،۶۱،۷۴،

۱۸۰،۱۸۱،۱۹۴،۱۹۵،۷۷۲،۷۷۴،۷۷۶

............پر استدلال ۳۹۲،۳۹۳

............تمام رسولوں کی تعلیم توحید کی تعلیم تھی ۴۰۶،۴۰۷

تقلید

............باپ اور دادا کی پیروی ۳۹۴

............اللہ کی حجت کے مقابلہ میں تقلید ۳۹۷

تُبّع ۴۲۶،۴۲۷،۵۲۴

تجسس

............کی ممانعت ۵۱۲،۵۱۳

............حکومت جرائم کا سراغ لگا سکتی ہے ۵۱۲

تقدیر

............ہر چیز تقدیر (منصوبہ) کے ساتھ پیدا کی گئی ہے ۵۹۸،۵۹۹

توکل

............اللہ پر ۹۶،۶۶۴،۶۶۵،۷۳۶

تورات ۷۰۴،۷۰۶

............کا بار اٹھانے والوں کی مثال ۷۱۶،۷۱۷

تقویٰ (خداخوفی، پرہیزگاری)

۹۹۶،۹۹۹،۱۰۰۲،۱۰۰۳،۱۰۰۵،۱۰۲۶

............اللہ سے ڈرتے رہو ۷۳۶،۷۴۲،۷۴۵

............اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے مخرج ۷۴۲،۷۴۶

توبہ

............خالص توبہ ۷۶۴،۷۶۵

تسنیم ۹۳۸،۹۳۹،۹۴۰

ٹ

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ وغیرہ لٹکانے کی ممانعت ۴۱

ث

ثمود ۳۰۸، ۳۳۴، ۳۳۶، ۵۲۴، ۹۵۴، ۹۸۰، ۹۹۶، ۱۰۰۰

.........کا انجام ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۹۲، ۶۹۴، ۷۹۴، ۷۹۵

.........کا زمانہ ۹۸۲

.........کی سرکشی اور انجام ۹۵۵

.........کا مسکن ۹۷۸، ۹۸۲

ج

جزائے عمل (جزا و سزا) ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۹۲، ۳۰۶، ۳۵۲، ۳۵۳
۴۳۶، ۴۳۷، ۴۴۰، ۵۴۱

.........کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۱۵۲، ۱۵۳

.........نیکوکاروں اور بدکاروں کا انجام یکساں نہیں ہوسکتا۔
۲۴۲، ۲۴۶، ۷۸۶، ۷۸۷

.........اعضاء کا گواہی دینا ۳۳۸، ۳۳۹

.........پر ہواؤں کی شہادت ۵۳۶، ۵۳۷، ۸۷۸،
۸۷۹، ۸۹۸، ۸۹۹

.........کا یقین پیدا کرنے والی چیزیں ۷۹۹

.........پر ملامت کرنے والے نفس کی شہادت ۸۵۸، ۸۵۹

.........سے بچنے کے لئے کائنات کی ''سائنٹیفک'' توجیہ ۹۳۰

.........طے شدہ بات ۹۶۱

.........کا تصور ۱۰۲۳

.........جزا کے بارے میں ہندومت اور بدھ مت کا تصور ۸۹۱

.........کا انکار ۹۲۸، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳

.........کے وقوع پر تاریخی شہادت ۹۸۳

.........پر یقین رکھنے کی دعوت ۱۰۲۳

.........پر تاریخی مقامات سے استشہاد ۱۰۲۳

.........جذبات، ارادے، نیتیں، دیکھی جائیں گی ۱۰۵۰

جنّت ۵۵۴، ۵۵۸، ۵۵۹، ۷۶۴، ۷۹۶، ۷۹۷،
۸۰۴

.........میں اہل ایمان خوش و خرم ۸، ۹

.........میں بہتی ہوئی شراب کے جام ۲۰۴، ۲۰۵

.........نعمت بھرے باغ ۳۴، ۳۶

.........کی نعمتیں ۵۸، ۱۸۴، ۱۸۶، ۲۰۴، ۲۵۴، ۲۵۶، ۴۱۴، ۴۱۵
۴۳۰، ۴۳۱، ۶۱۲، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۸، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۷۱۰
۷۱۱، ۹۰۶، ۹۱۸، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۸۴، ۹۸۷

.........میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے ۱۶۰، ۱۶۱

.........میں ریشم کا لباس ۱۶۰

.........والوں پر اللہ کی طرف سے سلام ۱۸۴، ۱۸۶

.........میں نیچی نگاہوں والی عورتیں ۲۰۴، ۲۰۵

.........میں بالاخانے ۲۷۲

.........کی زمین کے وارث ۲۹۶، ۲۹۷

.........میں اہل ایمان کو ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے
۳۴۲، ۳۴۳

.........کی طلب انسان کی فطرت میں موجود ہے ۳۴۴

.........کا تعارف ۴۶۶

.........مفت میں ملنے کی چیز نہیں ۴۵۴

.........کی خصوصیات ۴۶۸، ۴۶۹

.........متقیوں کے قریب لائی جائے گی ۵۲۸، ۵۲۹

.........جنت الماویٰ ۵۷۰، ۵۷۲

.........کی پہنائیاں ۶۵۰، ۶۵۱

.........میں باہم گفتگو ۸۵۲، ۸۵۴

.........کی ایک جھلک ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹
۸۷۰، ۸۷۱

.........کی شراب ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۹۴، ۹۳۸، ۹۳۹

.........کا ماحول اور سوسائٹی ۸۹۵، ۹۷۳

.........کی زندگی ۹۷۲

.........میں نوخیز لڑکیاں ۸۹۴

..........کی پُر بہار فضاء ۹۳۹

..........میں خدا کی شان کے جلوے ۹۳۹

..........میں شاندار تخت ۹۳۹

..........جنین کی جنس کا علم ۵۰

جہنّم ۵۵۴، ۶۱۲، ۶۳۴، ۶۴۴، ۶۴۶

۷۳۶، ۷۹۶، ۷۹۷، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۹۰۲، ۹۱۸، ۹۲۸

۹۳۱، ۹۳۴، ۹۵۰، ۹۶۷، ۹۷۳، ۱۰۳۸، ۱۰۵۶، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷

..........کو جنوں اور انسانوں سے بھر دیا جائے گا ۵۶، ۵۷، ۸۲۸

..........میں موت نہیں آئے گی ۱۶۰، ۱۶۱

..........میں زقوم ۲۰۸، ۲۰۹

..........میں گرم پانی ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۵۸، ۸۹۴، ۹۰۲

..........سرکشوں کا ٹھکانا ۲۵۴، ۲۵۵

..........میں جانے والے لیڈروں اور ان کے پیروؤں میں تکرار ۲۵۸
۲۵۹، ۳۱۴، ۳۱۵

..........میں آگ کی تہیں ۲۷۲، ۲۷۳

..........میں کڑی سزائیں ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۳۰، ۴۳۱

..........کافروں کا ٹھکانا ۳۳۸، ۴۱۴، ۴۱۵

..........کا بھر جانا ۵۲۸، ۵۲۹

..........کا ایندھن انسان اور پتھر ۷۵۸، ۷۶۱

..........پر سخت گیر فرشتے ۷۵۸، ۷۶۱

..........بُرا ٹھکانا ۷۶۴، ۷۶۸

..........میں گناہ کا اعتراف ۷۷۲، ۷۷۳

..........سقر ۸۵۰، ۸۵۱

..........پر اُنیس فرشتے مقرر ۸۵۰، ۸۵۱

..........میں لے جانے والی چیزیں ۸۵۴، ۸۵۵

..........کی چنگاریاں ۸۸۲، ۸۸۳، ۹۱۸، ۹۵۲، ۹۶۴

..........کا وجود ۱۰۵۵

..........کا نمونہ ۱۰۵۴

..........بھڑکتی آگ ۹۴۲، ۹۷۲، ۱۰۰۲، ۱۰۵۲، ۱۰۶۴

..........کی گہرائی ۱۰۵۴

جنّ

..........حضرت سلیمانؑ کے لئے مسخر ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵

..........جنوں کی عبادت کرنے والے ۱۴۰، ۱۴۱

..........جنوں کا رشتہ اللہ سے جوڑنا ۲۲۶، ۲۲۷

..........جن کن باتوں کے مکلف ہیں؟ ۴۶۱

..........جنوں کی پیدائش کا مقصد ۵۴۸، ۵۴۹

..........جنّ کی پیدائش آگ سے ۶۰۲، ۶۰۵

..........جنوں کی ایک جماعت کا قرآن کو سننا اور ایمان لانا ۴۵۸
۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۸۲۴، ۸۲۵

..........کا بیان ۸۲۴، ۸۲۵

..........جنوں کے بارے میں بے سروپا روایتیں ۸۲۵

..........آسیب زدہ ہونے کا خیال محض وہمی پن ۸۲۵

..........جنوں کے بارے میں فاسد تصورات ۸۲۵

..........جن غیب نہیں جانتے ۸۲۶

..........جنوں کی پناہ مانگنا شرک ہے ۸۲۷

..........جنوں کی پرواز آسمانوں میں ۸۲۷

جمادات

..........کے بارے میں یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ وہ شعور سے بالکل عاری ہیں ۳۳۵

جہاد

..........لڑائی میں کافروں کی گردنیں مارنے کا حکم ۴۶۴، ۴۶۵

..........جنگی قیدیوں کو رہا کرنا ۴۶۴، ۴۶۵

..........کا حکم سن کر منافقوں پر غشی کا طاری ہو جانا ۴۷۲

..........اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو جنّت کی بشارت
۴۶۴، ۴۶۵

..........میں کمزور نہ پڑنا ۴۷۸، ۴۷۹

..........معذوروں کے لئے رخصت ۴۹۲، ۴۹۳

..........مالِ غنیمت کا وعدہ ۴۸۸، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۴

..........دشمنوں کی آبادی پر حملہ کرتے وقت وہاں موجود مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنا ۴۹۷

...........صف بستہ ہو کر لڑنا ۷۰۴،۷۰۵
...........اپنی جان و مال کے ساتھ ۷۱۰،۷۱۱
...........منافقوں سے ۷۶۴،۷۶۵
جوڑا جوڑا ہونا
...........آخرت پر استدلال ۵۴۴،۵۴۵
جمعہ
...........کی نماز ۷۲۰،۷۲۱
...........کا آغاز ۷۲۱
...........کی نماز کے لئے تعداد اور شہر کی قید نہیں ۷۲۱
...........کی اذان کے بعد خرید وفروخت ممنوع ۷۲۰،۷۲۱
...........کے احکام سبت کی طرح سخت نہیں ۷۲۲
جادو ۱۱۱۸
...........ٹونے ٹوٹکے ۱۱۱۹
...........ہپناٹزم ۱۱۱۹
...........سفلی عمل ۱۱۱۹
...........جادو اور عصمت انبیاء ۱۱۱۹
جما ہوا خون (علق) ۱۰۲۸
جفت وطاق ۹۸۰،۹۸۱
جبریل ۸۹۵،۹۱۸،۹۲۴،۹۲۵،۹۲۶،۱۰۲۷
جوڑے ۹۹۸
...........پیدا کرنے کی حکمت ۸۹۲
جیوتش ۹۲۲

چ

چال میں اعتدال ۳۸،۴۱
چاند ۹۴۶،۹۹۶،۹۹۷
...........کا پھٹ جانا ۵۸۸،۵۸۹
...........کو نور بنایا ۸۱۶
...........کی دلالت توحید پر ۸۵۰،۸۵۲
...........بے نور ہو جائے گا ۷۸۲،۸۵۸،۸۵۹
چغلخور ۷۸۰

ح

حق ادا کرنے کی تاکید ۱۰۶۰،۱۰۶۲
...........مسافر، مسکین اور قرابت دار کا حق ۱۶،۲۰
حروفِ مقطعات
...........کا اعجازی پہلو ۲۳۵
...........کی تشریح ۳۰۱،۵۲۱
حکمت سے مراد ۳۹
حیلے
...........شرعی حیلوں کیلئے کوئی جواز نہیں ۲۵۵
حمد
...........اللہ کے لئے ۲۹۶،۲۹۷
حمل کی کم سے کم مدت ۴۵۵
حمیت جاهلیه ۴۹۶،۴۹۷
حشر ۵۲۴،۵۲۶
حوریں ۶۱۴،۶۱۵،۶۲۲،۶۲۳
حدید (لوہا) ۶۵۰،۶۵۲
...........اتارنے کا مطلب ۶۵۲
حدیث
...........حجت احادیثِ صحیحہ ہیں نہ کہ ضعیف حدیثیں ۶۷۹،۶۸۰
...........فاطمہ بنتِ قیس کی اس حدیث کو کہ جس عورت کو تیسری طلاق دی گئی ہو نہ سکنیٰ ہے اور نہ نفقہ حضرت عمر اور حضرت عائشہ نے قبول نہیں کیا ۷۵۱
حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ ۶۹۳
حدودِ الٰہی
...........سے تجاوز کرنے والے ۷۴۲،۷۴۶
حسد
...........کا مطلب ۱۱۲۰،۱۱۲۱
...........شیطان کا حسد ۱۱۲۰

.........یہود کا حسد ۱۱۲۰
.........کفارِ مکہ کا حسد ۱۱۲۱
حرص ۱۰۵۷
خُطمہ ۱۰۶۴،۱۰۶۶،۱۰۶۷

خ

خلافت ملوکیت سے مختلف ۲۴۵
خود پسندی ۴۱
خواہشات کو معبود بنانا ۴۴۰،۴۴۱
خیبر کی فتح ۴۹۰
خبر
.........فاسق کی خبر کو تحقیق کے بغیر قبول نہ کرنا ۵۰۴،۵۰۶
.........روایتیں قبول کرنے میں احتیاط ۵۰۶،۵۰۷
.........بدعتیوں کی روایتیں قبول نہ کرنا ۵۰۷
خشیتِ الٰہی ۷۷۲، ۷۷۳،۱۰۳۸،۱۰۳۹
خیر سے روکنے والا ۷۸۰،۷۸۲
خدا پرستی ۱۰۸۵
خسارہ ۱۰۶۱
خناس ۱۱۲۵
.........کا مطلب ۱۱۲۵
خطا کار ۱۰۲۹
خدیجہ ۱۰۱۱

د

داؤد (علیہ السلام)
.........کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح کرتے تھے ۱۲۰،۱۲۱
.........کیلئے لوہا نرم ۱۲۰،۱۲۱
.........زریں بناتے تھے ۱۲۰،۱۲۱
.........قوت والے ۲۳۸،۲۳۹
.........اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ۲۳۸،۲۳۹
.........کو قولِ فیصل ۲۳۸،۲۳۹
.........کے پاس ایک مقدمہ والوں کا اچانک پہنچ جانا ۲۳۸،۲۳۹
.........کا قصور معاف کر دیا گیا ۲۴۲، ۲۴۳
.........کی طرف منسوب اسرائیلی قصہ کی تردید ۲۴۴،۲۴۵
.........کیلئے تقرب کا مقام ۲۴۲، ۲۴۳
.........زمین پر خلیفہ ۲۴۲،۲۴۵
درست بات کہنے کی ہدایت ۱۱۰، ۱۱۳
دریا
.........شیریں اور کھاری ۱۵۰،۱۵۱
درود
.........کی فضیلت ۱۰۶
.........کی فضیلت میں ضعیف اور موضوع حدیثیں ۱۰۶
دلوں پر مہر ۳۰
دعوتِ اسلامی
.........کو پیش کرنے کا غلط طریقہ ۲۴
.........کی راہ میں رکاوٹیں موجودہ دور کی خدا بیزار حکومتیں بھی کھڑی کر رہی ہیں ۳۰۹
.........کا امتیاز ۳۶۸،۳۶۹
.........اپنے رب کی قبول کرلو ۳۸۶
.........کے کام میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ۴۶۴
.........قرآن کے ذریعہ فہمائش ۵۳۲، ۵۳۳
.........انبیائی دعوت میں انذار کا پہلو ۸۱۳
.........کے طریقے ۸۱۳،۸۱۴
.........پیغمبر کا دعوت کو پیش کرنا ۹۱۱
.........کا آغاز ۱۰۰۹
.........ایک حکیمانہ کام ۹۱۷،۹۶۷
.........منکرین کو دعوتِ فکر ۹۷۷
.........نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوہِ صفا سے دعوت ۱۱۰۶
دنیا ۹۶۴،۱۰۰۲،۱۰۰۴،۱۰۰۸،۱۰۰۹
.........کی زندگی کے بارے میں سطحی علم ۴

............قیامت کے دن یہ احساس کہ دنیا کی زندگی بہت مختصر تھی
۲۶،۲۸

............دنیوی آفتیں موجودہ زمانہ میں ۶۱

............کی زندگی کو سب کچھ سمجھنے والے ۴۴۰،۴۴۱

............کی زندگی کھیل تماشہ نہیں ۴۷۸

............کی حقیقت ۶۴۶،۶۴۸،۶۴۹

............کی محبت ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۷۴، ۸۷۵

............امتحان گاہ ۱۰۰۹

............کا نظام ۱۰۰۹

............کے مقابلہ میں آخرت ۹۶۸

............سدا بہار نہیں ۹۱۹

............کے نقد فائدے ۹۶۸

............اندھیر نگری نہیں ۹۸۳

دین ۱۰۹۵

............اللہ ہی کیلئے ۲۶۴،۲۶۵،۲۶۸

............کے معنی ۲۶۵،۱۰۴۰

............اظہارِ دین کا مطلب ۴۹۶،۴۹۹

............کو قائم رکھنے کی ہدایت ۳۶۶،۳۶۷

............میں تفرقہ ڈالنے کی مذمت ۳۶۶،۳۶۷

............اقامتِ دین کا مفہوم ۳۶۸،۳۶۹،۳۷۰،۳۷۱

............اقامتِ دین فریضہ ہے نہ کہ نصب العین ۳۷۰

............میں جبر نہیں ۵۳۲،۵۳۳

............کیا اقامت دین کا یہ ترجمہ کرنا کہ اسلامی نظام زندگی قائم کرو، صحیح
ہے ۳۷۰

............اقامت دین کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کا اسوہ ۳۷۱

............دین کی دعوت ۳۷۴،۳۷۵

............دین کا شعور نہ رکھنے والے مسلمان ۵۱۷

............کے معاملہ میں مصالحت نہیں ۷۸۲

............دین حق ۱۰۳۸،۱۰۴۰

............نبی کا دین ۱۰۹۶

............میں تحریف کرنے والے ۹۸۳

دعا

............اللہ کو پکارنے کا حکم ۳۲۲،۳۲۳

............سواری پر سوار ہوتے وقت دعا ۳۹۴،۳۹۶

............تزکیۂ نفس کے لئے ۹۹۹

دھریہ ۴۴۲

درشت خو ۷۸۰

دل

............پر زنگ چڑھ جانا ۹۳۶

دن ۸۹۰،۸۹۲،۹۰۲،۹۹۶
۹۹۷، ۱۰۰۳، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹

ذ

ذکر الٰہی

............بہ کثرت ذکر کرنے والے ۸۲،۸۶

............اللہ کو بہ کثرت یاد کرنے کی ہدایت ۸۸،۷۲۰

............ذکر الٰہی کے نفس پر اثرات ۹۴

............کی طرف سے دل سخت ۲۷۴،۲۷۵

............سے بے پرواہ ہونے کا نتیجہ ۴۰۲،۴۰۳

ذوالکفل (علیہ السلام) ۲۵۴

ذات، پات، چھوت، چھات، اونچ نیچ کا تصور ۵۱۴

ذونواس ۹۵۲

ر

رومی

............رومیوں کے مغلوب ہونے اور پھر غالب آنے کا واقعہ
۲، ۳، ۴

............رومیوں کے غالب آنے کے بارے میں قرآن کی پیشینگوئی
۲، ۴

روزہ ۸۲

روز جزا ۴۸، ۴۹
............کو بھلا دینا ۵۶، ۵۷
رزق
............میں کمی بیشی ۲۸۶، ۲۸۷، ۳۶۶، ۳۶۷
............فراخی کے ساتھ رزق نہ دینے کی مصلحت ۳۷۸، ۳۸۰
............میں کشادگی اور تنگی خدا کے منصوبہ کے مطابق
۱۳۸، ۱۳۹
رسول
............قرآن نے بعض رسولوں کا ذکر کیا اور بعض کا نہیں
۳۲۴، ۳۲۵
............رسول پر شاعر یا دیوانہ ہونے کا الزام ۵۴۸، ۵۴۹
............رسول کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا گیا ۶۵۰، ۶۵۱
............رسول اپنے منصب پر رہتے ہوئے اپنی طرف سے کوئی بات اللہ
کی طرف منسوب نہیں کر سکتا ۷۹۹
............کے آگے اور پیچھے محافظ ہوتے ہیں ۸۳۲، ۸۳۳
............کو جھٹلانا ۹۹۶
رہبانیت ۹۹۹
............ایک بدعت ۶۵۴، ۶۵۵
............کا مطلب ۶۵۵
............ترکِ دنیا اور تپسیا کا مقصد ۶۵۵
............مندروں میں دیوداسیاں ۶۵۵
............خانقاہیت ۶۵۶
روح ۸۹۴، ۸۹۵، ۱۰۳۲
............سے مراد ۱۰۳۴
رفعِ ذکر ۱۰۱۵
رضاء الٰہی ۹۸۴، ۹۸۷
رات ۸۹۰، ۹۰۲، ۹۱۸، ۹۲۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۸۱، ۹۹۶
۹۹۷، ۱۰۰۳، ۱۰۰۸، ۱۰۲۱
............کی قسم ۹۱۸، ۱۰۰۲
............دس راتیں ۹۸۰، ۹۸۱

ز

زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ۱۲، ۱۳
زکوٰۃ ۱۰۳۸، ۱۰۴۰
............مال کو بڑھانے والی ۲۲، ۲۳
............صدقہ کا اجر ۲۳
............دینے والے ۳۴
............کا حکم ۸۲، ۸۳، ۸۴۰
............نہ دینا کافروں کا کام ہے ۳۳۰، ۳۳۱
زینب (رضی اللہ عنہا)
............کو زید کا طلاق دینا ۸۸، ۸۹
............کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ۸۸
............کے نکاح کے بارے میں بیہودہ قصے ۹۰
زوجین (جوڑے) کی تخلیق
............نباتات میں ۱۷۶، ۱۷۸
............ان چیزوں میں جو انسان کے علم میں نہیں ہیں ۱۷۶، ۱۷۸
زندگی بعد موت ۸۸۹، ۸۹۱، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۳
۹۱۲، ۹۱۳، ۹۲۰، ۹۲۲، ۹۵۰، ۹۵۳، ۹۵۹، ۹۶۱،
۱۰۲۳، ۱۰۴۵
............بارش سے مردہ زمین کا زندہ ہونا ۳۹۲، ۳۹۳
............پر کافروں کو تعجب ۵۲۰، ۵۲۱
............کے بارے میں شک ۵۲۴، ۵۲۵
............قیامت کا دن نکل کھڑے ہونے کا دن ۵۳۲، ۵۳۳
............پر دلائل ۹۱۳
زقوم کا درخت ۴۲۶، ۴۲۸، ۶۲۶
زمانہ ۱۰۶۰، ۱۰۶۱
............''زمانہ میں ہوں'' کا مطلب ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲
............گزرے ہوئے زمانہ سے انسان کی تباہی پر استدلال ۱۰۶۱
زمین ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۹۱۲، ۹۱۹، ۹۷۶
۹۷۷، ۹۹۶

..........کا پھیلاؤ ۵۴۴، ۵۴۵، ۹۴۲، ۹۴۳، ۱۰۴۳

..........کو بچھایا ۶۰۲، ۶۰۴، ۸۱۶، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۴۲

..........سات زمینیں ۷۵۴، ۷۵۵

..........کو تابع بنایا ۷۷۲، ۷۷۳

..........زندہ اور مردہ انسانوں کو سمیٹ رکھنے والی ۸۸۲، ۸۸۳

..........کی ساخت ۸۹۵

..........کی نعمتیں ۹۰۳

..........کا حکیمانہ نظام ۹۰۳

..........کی قیامت کے دن شکل ۸۹۵، ۹۲۰، ۹۴۳

..........کا مُردوں کا اُگلنا ۹۴۲، ۹۴۳، ۱۰۴۳، ۱۰۴۵

..........کا اپنی سرگزشت سنانا ۱۰۴۳، ۱۰۴۵

..........کاشق ہونا ۹۶۱

..........بھومی پوجا ۱۰۴۵

زبور

..........کا ایک حوالہ ۶۰۶

زندگی

..........آزمائش کے لئے ۷۶۸، ۷۶۹

زیتون ۹۱۲، ۹۱۳، ۱۰۲۲

زید بن نفیل ۱۰۱۱

س

سائنسی اکتشافات ۵

سبا

..........ایک قوم کا نام ۱۲۶

..........کے باغ ۱۲۶، ۱۲۷

..........کو ناشکری کی سزا ۱۲۶، ۱۲۷

..........بند کا سیلاب ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸

سجدہ ۹۴۶، ۹۴۷، ۱۰۲۶، ۱۰۲۹

..........تعظیمی ۲۶۱

..........نہ سورج کو کرو اور نہ چاند کو بلکہ صرف اللہ کو کرو ۳۴۲، ۳۴۶

..........اسلام کی تکمیلی شریعت میں بزرگوں کے لئے سجدہ تعظیمی بجالانے کی بھی اجازت نہیں ۳۴۵

..........کا نشان ۵۰۰، ۵۰۱

سچائی ۸۲، ۸۶

سلیمان (علیہ السلام)

..........کے لئے ہوا مسخر ۱۲۰، ۲۴۸، ۲۵۱

..........کے لئے تانبہ کا چشمہ ۱۲۰، ۱۲۳

..........کے لئے جن مسخر ۱۲۲، ۱۲۳، ۲۴۸، ۲۵۱

..........کے لئے جن عمارتیں، تصویریں اور لگن بنانے کی خدمت انجام دیتے تھے ۱۱۰، ۱۲۱، ۱۲۳

..........کی موت کا واقعہ ۱۲۰، ۱۲۴

..........داؤد کے بیٹے ۲۴۸

..........اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ۲۴۸، ۲۴۹

..........کے تربیت یافتہ تیز رو گھوڑے اور ان سے اللہ کے لئے محبت ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰

..........کی کرسی پر ایک دھڑ ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰

..........کے لئے بے مثال سلطنت ۲۴۸، ۲۵۱

..........کے لئے تقرب کا مقام ۲۴۸

سود

..........کی قباحت ۲۲، ۲۳

سورج اور چاند گردش میں

۴۸، ۴۹، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۸۰، ۱۸۱

سورۂ یٰس کی فضیلت کے بارے میں روایتیں ۱۶۷

سورۂ ق کی اہمیت ۵۱۹

سارہ ۵۴۲

سدرۃ المنتھٰی ۵۷۰، ۵۷۲

سورج ۹۹۶، ۹۹۷

..........اور چاند کا حساب سے ہونا ۶۰۲

..........کو روشن چراغ بنایا ۸۱۶، ۸۹۰، ۸۹۲

..........اور چاند اکٹھے کردئے جائیں گے ۸۵۸، ۸۶۰

............دیوتانہیں ۹۱۹

............لپیٹ دیا جائے گا ۹۱۹،۹۱۸

............جہنم کا نمونہ ۱۰۵۴

............کے بارے میں جدید اکتشافات ۹۱۹

............کا درجۂ حرارت اور اس کا حجم ۸۹۲

............بالآخر تاریک ہوگا، سائنس کا اعتراف ۹۱۹

ستارے ۹۵۹،۹۵۱،۹۳۰،۹۲۱

............ستاروں کے غروب ہونے سے توحید اور جزاوسزا پر استدلال

۹۲۹،۹۲۸

............ستاروں اور درختوں کا سجدہ کرنا ۶۰۳،۶۰۲

............قانون الٰہی میں جکڑے ہوئے ۹۲۲

............دعوت فکر دیتے ہیں ۹۲۲

............کا بے نور ہوجانا ۹۱۸

............کا گرنا ۹۳۰،۹۲۶

............دمکتا ستارہ ۹۵۹،۹۵۸

............کی قسم ۹۱۸

سبقت کرنے والے ۹۱۹،۹۱۸

سلسبیل

............جنت کا ایک چشمہ ۹۷۱،۹۷۰

سمندر

............بہائے جائیں گے ۹۳۰،۹۲۸

............بھڑکا دیئے جائیں گے ۹۲۰،۹۱۸

............میں آگ لگ جانا ۹۲۰

سرکشی ۱۰۰۰،۹۹۶،۹۰۲،۸۹۵

۱۰۲۹،۱۰۲۸،۱۰۲۶

سجین ۹۳۶،۹۳۴

سینا ۱۰۲۲،۱۰۲۰

سجیل ۱۰۷۳،۱۰۷۰

سائل ۱۰۰۸

ش

شرک ۸۹۴

............شریک سفارشی نہیں ۹،۸

............کی نامعقولیت ۱۴

............رب کا شریک ٹھہرانا ۱۹،۱۶

............اولیاء کو متصرف ماننا ۱۹

............کی تردید ۲۲، ۲۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۷۸

۲۷۹، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۹۴

۳۹۵، ۴۴۸

............بہت بڑا ظلم ۴۰،۳۸

............کے معاملہ میں والدین کا دباؤ قبول نہ کیا جائے

۴۰،۳۸

............اللہ کے سوا دوسروں کو پکارنا باطل ۴۹،۴۸

............مشرکین کے معبودان کی پکار سے بے خبر ۴۴۹،۴۴۸

............مشرک کی سزا ۵۲۶،۵۲۴

............بت پرستی باطل ۱۰۹۴،۲۹۰

............اہل مذاہب کے فلسفے ۱۱۱۲

............غیر اللہ کی پناہ مانگنا ۱۱۱۷

............خدا کے بارے میں لغو تصور ۱۱۱۲

............خدا کے لئے اولاد تجویز کرنا عقلاً و نقلاً غلط ۱۱۱۲

............خالق و مخلوق کا مخلوط وجود (ہمہ اوست) ۱۱۱۴

شفاعت

............اسی صورت میں جب اللہ اجازت دے ۱۳۴

۱۳۵، ۲۸۰، ۲۸۳

............کا غلط تصور ۱۳۵، ۸۹۶

............کا غلط عقیدہ ۲۸۳، ۳۰۷، ۴۱۶، ۴۱۷

............کافروں کے لئے غیر مفید ۸۵۵،۸۵۴

............کا صحیح تصور ۸۹۶

شکر ۴۹،۴۸

شکرگذار ۲۹۲، ۲۹۳
شہاب ثاقب (چمکتا شعلہ) ۱۹۸، ۲۰۰
شیطان ۹۲۴، ۹۲۶
..........فریب کار ۴۴، ۴۵، ۴۸، ۴۹
..........کی عبادت اور اس کا مطلب ۱۸۴، ۱۸۶
..........کی اکساہٹ سے پناہ مانگنا ۳۴۲، ۳۴۳
..........کا اس بات سے انکار کہ اس نے گمراہ نہیں کیا تھا ۵۲۸، ۵۲۹
..........کی پارٹی ۶۷۰، ۶۷۱
..........شیاطین کیلئے مار شہاب ثاقب ۷۶۸، ۷۷۰
..........القائے شیطانی ۱۱۸
..........خناس ۱۱۲۴، ۱۱۲۵
..........کی وسوسہ اندازیاں ۱۱۲۵، ۱۱۲۶
..........شیاطین انس وجن ۱۱۲۶
..........ابلیس شیطانوں کا سرغنہ ۱۱۲۶
شریعت ۹۹۹
..........کے مکلف سب لوگ ہیں ۳۳۱
..........شریعتوں کا اختلاف ۳۶۸
..........اسلام ایک واضح شریعت ۴۳۶، ۴۳۸
..........پر طریقت کے اضافے کی ضرورت نہیں ۹۹۹
..........پر ریاضتوں کے اضافے کی ضرورت نہیں ۹۹۹
..........مراقبوں کی ضرورت نہیں ۹۹۹
شوریٰ (باہم مشورہ) ۳۸۴
..........شوریٰ کا طریقہ ۳۸۴
..........شورائیت کی اہمیت ۳۸۴
..........شورائیت آمریت کے منافی ۳۸۵
..........شورائیت نماز کا فیضان ۳۸۵
شق القمر کا واقعہ ۵۸۸، ۵۸۹
شہادت
..........گواہی اللہ کے لئے ۷۴۲، ۷۴۶
..........شہادتوں کو ادا کرنا ۸۰۴، ۸۰۵
شبِ قدر ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵
شر
..........سے مراد ۱۱۱۷
شرح صدر ۱۰۱۵
شفق ۹۴۲، ۹۴۷

ص

صبر ۳۰، ۳۸، ۴۰، ۴۸، ۴۹، ۸۲، ۸۶، ۸۳۶، ۸۴۶، ۸۴۸
..........کرنے والے ۲۶۸، ۲۷۰، ۳۴۲، ۳۴۵
..........کی تاکید ۳۱۸، ۳۲۴، ۴۶۰، ۵۳۲
..........عزیمت کا کام ۳۸۶، ۳۸۷
..........کا بدلہ ۸۶۶، ۸۶۹
صحابۂ کرام
..........کو لعن طعن کرنے والے ۴۹۴، ۶۸۱
..........تقویٰ کے اہل ۴۹۶، ۴۹۸
..........کا قدرداں ہونا چاہئے ۶۸۰
..........ان سے کینہ نہیں ۶۸۱
صلٰوۃ (نماز) ۳۸۲
..........کی پابندی ۳۸۴
..........اقامت صلٰوۃ ایک جامع اصطلاح ۳۸۴
..........فجر کی نماز ۵۳۳
..........عصر کی نماز ۵۳۳
..........عشاء کی نماز ۵۳۳
صلح حدیبیہ ۴۹۷
..........کیوں اور کیسے ۴۸۰، ۴۸۱
..........فتح مکہ کی تمہید ۴۸۵
..........کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان دبے رہنے کی پالیسی اختیار کریں ۴۸۵
..........جنگ کے روکے جانے کی مصلحت ۴۹۶، ۴۹۷
..........رسول اور اہل ایمان پر سکنیت کا نزول ۴۹۶، ۴۹۸

............کی مصلحت ۴۹۷

............قریبی فتح ۴۹۶،۴۹۸

صحافت کی گراوٹ ۵۱۱

صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں ۶۴۶

صبح ۹۲۲،۱۰۴۸،۱۰۴۹

............کی قسم ۹۱۸

صحیفے ۹۶۴،۹۶۸،۱۰۳۹،۱۰۴۰

............سب سے قدیم صحیفہ ۹۶۸

............موسیٰ کا صحیفہ ۹۶۸

صور ۸۹۰،۸۹۱،۹۱۲،۹۱۳

صالح (علیہ السلام) ۱۰۰۰

ط

طلاق

............نکاح کے بعد ہاتھ لگانے سے پہلے ۹۶،۹۷

............اکٹھی تین طلاقیں تین طلاقوں کے حکم میں نہیں ہیں ۶۶۳

............طلاق عدت کے لئے دینے کا حکم ۷۴۲،۷۴۳

............طلاق کا صحیح طریقہ ۷۴۳

............اکٹھی تین طلاقیں دینا طلاق کا بدعی طریقہ ہے اور اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے ۷۴۳،۷۴۴

............تین طہر میں تین طلاقیں قرآن وسنت سے ثابت نہیں ۷۴۳

............روک لینے یا جدا کرنے پر گواہ بنانے کا حکم ۷۴۲،۷۴۶

............مطلقہ کے لئے دودھ پلانے کی اجرت ۷۵۰،۷۵۲

............کے معاملہ میں موجودہ مسلمانوں کا غلط رویہ ۷۵۳

طاغوت

............کی عبادت سے اجتناب ۲۷۲،۲۷۳

............کے معنیٰ ۲۷۳

طعنہ زنی کرنے والا

۷۸۰،۷۸۲،۹۵۹،۱۰۶۴،۱۰۶۵

............کارٹون، طنز نگاری، تیر ونشتر ۱۰۶۵

............پگڑی اچھالنا ۱۰۶۵

طہارت

............کپڑے پاک رکھنا ۸۴۶،۸۴۷

............ظاہری پاکیزگی کی اہمیت ۸۴۷

............طہارت کے تصور سے ناآشنا لوگ ۸۴۸

طُویٰ ۸۹۸،۹۰۱

ظ

ظِہار کا حکم ۶۶،۶۷

............بیوی کو ماں کہنے سے وہ ماں نہیں ہو جاتی ۶۶۰،۶۶۱

............کا کفارہ ۶۶۰،۶۶۱،۶۶۲

............کا واقعہ ۶۶۱

ع

عبادت (اللہ کی) ۱۰۱۴،۱۰۱۶،۱۰۳۸،۱۰۴۰،۱۰۷۶،

۱۰۷۷،۱۰۹۴

............اور اطاعت کا فرق ۱۸۷،۱۸۸،۵۴۹

............دین کو خالص کرتے ہوئے ۲۶۴،۲۶۵

............رات کی گھڑیوں میں ۲۶۸،۲۶۹،۵۳۶،۵۳۹

............اللہ ہی کے لئے ۲۹۲،۲۹۳

............اللہ کی عبادت سے سرکشی کرنے والے ۳۱۸،۳۲۰

............کا مطلب ۵۴۹

............میں منہمک ہونا ۱۰۱۶

............کا مقام ۱۰۱۶

عقل کی روشنی میں غور کرنے کی دعوت ۱۸۸

علم ۱۰۲۸

............سے مراد ۱۱۸،۲۷۰

............رکھنے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں ۱۵۶،۱۵۷

............رکھنے والے اور جو علم نہیں رکھتے یکساں نہیں ۱۴۶،۲۷۰

............قلم کے ذریعہ ۱۰۲۶،۱۰۲۸

..........قلم کی اہمیت ۱۰۲۸

..........علم کی حقیقت ۱۰۲۸

عصمت انبیاء کا مطلب ۴۸۶

عاد ۳۰۸، ۳۳۴، ۴۵۶، ۵۲۴، ۹۸۰، ۹۸۲

..........کا مسکن احقاف ۴۵۶، ۴۵۷

..........کا انجام ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۸۴، ۵۹۲، ۷۹۴، ۷۹۵

عذاب

..........دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں ۳۲۶، ۳۲۷

..........قوم لوط پر ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۹۶، ۷۹۴، ۷۹۵

..........قوم نوح پر ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۸۴، ۵۹۲

..........آل فرعون پر ۵۹۶، ۷۹۴

عقیدہ

..........اور عبادت کا معاملہ علم پر مبنی ہونا چاہئے نہ کہ قیاس پر ۳۹۷

..........عقیدۂ تثلیث ۱۱۱۱

..........عقیدہ تناسخ ۹۳۱

عیسیٰ ابن مریم ۴۱۰، ۴۱۱، ۶۵۴، ۶۵۵

..........قیامت کی دلیل ۴۱۰، ۴۱۱

..........کی دعوت بندگیٔ رب کی دعوت تھی ۴۱۰، ۴۱۱

..........کو انجیل ۶۵۴، ۶۵۵

..........اپنے بعد کے رسول کی خوشخبری دینے والے ۷۰۴

..........کے حواری ۷۱۰، ۷۱۲

..........کے پیرو بالآخر غالب ہوئے ۷۱۰، ۷۱۲، ۷۱۳

..........کا درس ۱۰۲۱، ۱۰۲۲

..........کے بیانات ۱۰۸۴، ۱۰۸۵

..........کا علماء کو جھنجھوڑنا ۱۰۸۵

عرشِ الٰہی ۹۵۵

......قیامت کے دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے ۷۹۶، ۷۹۷

عدت

..........شمار کرنے کی تاکید ۷۴۲، ۷۴۵

..........کے دوران بیوی کو گھر سے نہ نکالنا ۷۴۲، ۷۴۳

..........ان عورتوں کی عدت جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں یا جن کو حیض نہ آیا ہو ۷۴۲، ۷۴۷

..........حاملہ کی عدت ۷۴۲، ۷۴۸

..........میں سکنیٰ اور نفقہ ۷۵۰، ۷۵۱

..........میں عورتوں کو تنگ نہ کرو ۷۵۰، ۷۵۱

..........تیسری مرتبہ کی طلاق دینے کی صورت میں بھی سکنیٰ اور نفقہ دینا ہوگا ۷۵۱

..........فاطمہ بنت قیس کی حدیث حضرت عمر نے قبول نہیں کی ۷۵۲

عبد المطلب ۱۰۰۹، ۱۰۶۳، ۱۰۷۱، ۱۰۷۹، ۱۱۰۵

عیب چینی ۱۰۶۵

عبداللہ بن ام مکتوم ۹۱۱

عتبہ ۹۱۱

عُقد

..........گرہیں سے مراد ۱۱۱۸

..........شیطان کا گرہ لگانا ۱۱۱۸

عدالتِ خداوندی ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۷۸، ۸۹۵، ۹۲۰، ۹۳۱، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۴۷، ۹۵۲

..........ایک کٹھن مرحلہ ۹۳۵

..........نیکوکاروں سے آسان حساب ۹۴۴

علیئین ۹۳۸، ۹۳۹

عالمِ بالا ۸۹۳

غ

غافل کر دینے والا کلام ۳۴، ۳۵

غزوۂ احزاب ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۷۲، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۸، ۷۹

غیبت

..........ایک گھناؤنا کام ۵۰۸، ۵۱۳

..........کی تعریف ۵۱۲

...........کسی کی برائی کا ذکر واقعی یا شرعی ضرورت کی بنا پر ۵۱۲
...........کرنے والوں کی آخرت میں سزا ۵۱۳
غیر مسلموں سے تعلقات ۶۹۶، ۶۹۷
غوث
...........کے معنیٰ ۸۱۸
...........کا لقب بزرگوں کو دینا شرک ہے ۸۱۸
...........اللہ کے سوا کوئی نہیں ۸۱۸
غارت گری ۱۰۴۹، ۱۰۵۰
غارحراء ۱۰۲۷، ۱۰۳۰
غلام
.... آزاد کرنا بہت بڑی نیکی ۹۹۰، ۹۹۳

ف

فرشتے ۸۹۴، ۸۹۶، ۹۱۱، ۹۲۰، ۹۳۰، ۹۳۱
۹۸۴، ۹۸۶، ۱۰۲۶، ۱۰۳۲، ۱۰۳۴
...........موت کا فرشتہ ۵۶، ۵۷
...........فرشتوں کا رحمت بھیجنا ۸۸
...........فرشتوں سے قیامت کے دن سوال ۱۴۰، ۱۴۱
...........پیغام رساں ۱۴۶، ۱۴۷
...........پَروالے ۱۴۶، ۱۴۷
...........صف بہ صف کھڑے ہونے والے ۱۹۸، ۱۹۹
...........ڈانٹنے دھتکارنے والے ۱۹۸، ۱۹۹
...........ذکر الٰہی کی تلاوت کرنے والے ۱۹۸، ۱۹۹
...........فرشتوں کے اللہ کی بیٹیاں ہونے کی تردید ۲۲۲، ۲۲۴
...........فرشتوں کا بیان ۲۲۶، ۲۲۷
...........کا آدم کو سجدہ کرنا ۲۶۰، ۲۶۱
...........عرش کے گرد تسبیح میں مشغول ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۰، ۳۰۱
...........عرش کو اٹھائے ہوئے ۳۰۰، ۳۰۱
...........فرشتوں کی دعا اہل ایمان کے لئے ۳۰۰، ۳۰۱
۳۶۲، ۳۶۳
...........اہل ایمان کے رفیق ۳۴۲، ۳۴۳
...........رات دن تسبیح کرتے رہتے ہیں ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۶۲
...........فرشتوں کے بارے میں یہ باطل عقیدہ کہ وہ لڑکیاں ہیں
۳۹۴، ۳۹۶
...........بات کو اخذ کرنے والے ۵۲۴، ۵۲۵
...........فرشتوں کا کافروں کی جان قبض کرنے میں سختی کرنا
۴۷۴، ۴۷۵
...........ہر شخص کی باتوں کا ریکارڈ کرتے ہیں ۵۲۴، ۵۲۵
...........فرشتوں کی سفارش ۵۷۴، ۵۷۵
...........فرشتوں کو عورتوں کے نام سے موسوم کرنا ۵۷۴، ۵۷۷
...........چڑھتے ہیں اللہ کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار
سال ہے ۸۰۲، ۸۰۳
فساد
...........خشکی اور تری میں ۲۲، ۲۳، ۲۴
فاسق ۶۸۲، ۶۸۴، ۷۰۴، ۷۰۵
...........سے مراد ۵۰۶
فرعون ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۱۲، ۳۱۳، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۲۶، ۵۲۴
۸۹۸، ۹۰۱، ۹۰۳، ۹۵۴، ۹۸۰، ۹۸۲
...........کے دربار کا مردِ مؤمن جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔
۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۳
...........کو صبح وشام آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ۳۱۴، ۳۱۵
...........کا انجام ۴۰۶، ۴۱۱، ۵۴۴، ۵۴۵
...........کا رسول کو جھٹلانا اور اس کا بُرا انجام ۴۲۴
...........کی بیوی کی مثال اور اس کی دعا ۷۶۲، ۷۶۵
...........کو دعوتِ حق ۸۹۸
...........کا ربِ اعلیٰ ہونے کا دعویٰ ۹۰۳
فجر ۹۸۰، ۹۸۱، ۱۰۳۲
فلکیات ۹۲۲، ۹۴۳، ۹۵۹
فلسطین ۱۰۷۷

ق

قبرپرستی ۲۶۶
..........مردے نہیں سنتے ۱۵۲، ۱۵۴
..........اولیاءاور پیروں کو مدد کے لئے پکارنا ۴۴۹
قرآن (کتاب الٰہی) ۹۱۰، ۹۲۴، ۹۴۶، ۹۵۴، ۹۵۵
..........میں فہمائش ۳۰
..........حکمت بھری کتاب ۳۴، ۳۵، ۱۶۸، ۳۹۲
..........ہدایت ورحمت ۳۴، ۳۵
..........رب العالمین کی طرف سے ۵۲، ۵۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۸۶
۳۳۰، ۳۳۱، ۳۴۸، ۴۷۳، ۴۳۴، ۴۴۸، ۷۹۸، ۷۹۹
..........میں شک پیدا کرنے والی روایتیں ۶۳
..........شاذ قرائتوں کا حکم ۶۵
..........کے من گھڑت ہونے کا کافروں کا الزام ۱۴۰
..........کی تلاوت کرنے والے ۱۵۶، ۱۵۷
..........حق ہے ۱۵۶، ۱۵۸، ۲۶۴، ۲۶۵
..........رسالت کا واضح ثبوت ۱۶۹
..........یاددہانی سے بھراہوا ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۴۶
..........مبارک کتاب ۲۴۲، ۲۴۶
..........میں تدبر ضروری ۲۴۲، ۲۴۶
..........سے یاددہانی حاصل کرنا ۲۴۲، ۲۴۶
..........دنیاوالوں کے لئے یاددہانی ۲۶۰، ۲۶۲، ۸۴۰، ۸۴۱
۹۲۴، ۹۲۶
..........کے بہترین معنیٰ کی پیروی کرنا ۲۷۲، ۲۷۳
..........بہترین کلام ۲۷۴، ۲۷۵
..........کی تاثیر ۲۷۴، ۲۷۵
..........عربی قرآن ۲۷۴، ۲۷۵، ۳۳۰، ۳۳۱
..........کا مطالعہ کس طرح کرنا چاہئے ۳۳۲
..........کو سننے سے منع کرنے والے ۳۳۸، ۳۴۰
..........زبردست کتاب ۳۴۸، ۳۴۹
..........باطل اس کے نہ سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے
۳۴۸، ۳۴۹
..........ہدایت ایمان لانے والوں کے لئے ۳۴۸
..........شفاایمان لانے والوں کے لئے ۳۴۸، ۳۵۰
..........عربی موزوں ترین زبان ۳۴۹
..........کی صداقت کی نشانیاں عنقریب آفاق والنفس میں ظاہر ہوں گی
۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰
..........موجودہ ایجادات اور سائنسی اکتشافات سے قرآن کی صداقت اور
زیادہ واضح ہورہی ہے ۳۶۰
..........خدائی میزان ۳۷۵
..........کوروح سے تعبیر کیا گیا ہے ۳۹۰
..........نور ہے ۳۸۸، ۳۹۰، ۷۳۴، ۷۳۵
..........روشن کتاب ۳۹۲، ۳۹۳، ۴۲۰
..........بلند مرتبہ ۳۹۲
..........کا نزول مبارک شب میں ۴۲۰، ۴۲۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳
..........ایک فرمان ۴۲۰، ۴۲۱
..........نصیحت پذیری کے لئے آسان بنادیا گیا ہے ۴۳۰
۴۳۲، ۵۹۲، ۵۹۳
..........پر تدبر نہ کرنا ۴۷۴، ۴۷۵
..........قرآن مجید ۵۲۰، ۵۲۱
..........کے ذریعہ تذکیر بنانا ۵۳۲، ۵۳۴
..........کو معنی ومفہوم کے ساتھ پیش کرنا ۵۳۴
..........کا مخالفین کو چیلنج کہ اس جیسا کلام لائیں ۵۶۲، ۵۶۳
..........کے معنیٰ ومطلب کو سمجھنے کی کوشش نہ کرنا ۵۹۳
..........ذکر (نصیحت) کو حفظ کے مفہوم میں لینا ۵۹۳
..........رحمٰن نے سکھایا ۶۰۲، ۶۰۳
..........عزت والا ۶۲۸، ۶۳۰
..........''اس کو نہیں چھوتے مگر پاکیزہ'' کا مطلب ۶۳۰
..........کو بلاوضو چھونے کا مسئلہ ۶۳۱، ۶۳۲
..........کی اثر انگیزی ۶۸۶، ۶۸۷

...........کسی شاعر یا کاہن کا قول نہیں ۷۹۸،۷۹۹

...........دنیا والوں کے لئے نصیحت ۷۹۰،۷۹۱،۸۵۰

...........نصیحت ہے ۷۹۸، ۸۵۴، ۸۷۴

...........کا نزول جن وانس دونوں کے لئے ۸۲۶

...........ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم اور اس کا مطلب

۸۳۶،۸۳۷

...........کا معجزہ ہونا اس کی تعلیمات سے ظاہر ہے ۸۴۸

...........بڑی نشانیوں میں سے ۸۵۲

...........خبردار کرنے والا ۸۵۰،۸۵۲

...........کو جمع کرا دینا اللہ کے ذمہ ۸۵۸،۸۶۰

...........مصحف کی ترتیب اللہ کی طرف سے ہے ۸۶۱

...........نزولی ترتیب محض قیاسی بات ہے ۸۶۰،۸۶۱

...........کا نزول بتدریج ۸۷۰

...........جمع قرآن اور خلفائے راشدین ۸۶۱

...........اللہ کی آخری کتاب ۸۸۷

...........کے بعد انکار کرنے والے کس کلام پر ایمان لائیں گے

۸۸۶،۸۸۷

...........نزول کا آغاز ۱۰۲۷

...........پڑھنے کا حکم ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸

...........پڑھنے کا ثمرہ ۱۰۳۰

...........کے نزول کے موقع پر سخت پہرہ ۱۰۳۵

...........بلند مرتبہ ۹۱۰،۹۱۱

...........شیطان کی دخل اندازیوں سے پاک ۹۲۲،۹۲۵

...........لفظاً لفظاً کلام الٰہی ۹۲۵،۱۰۲۸

...........کی حفاظت کا سامان ۹۶۶،۹۶۷

...........سلامتی کا پیغام ۱۰۳۵

...........مصحف عثمانی ۱۰۴۲

...........کی پیشینگوئی ۱۱۰۵،۱۱۰۶

...........کی محافظ سورتیں ۱۱۲۳

قیامت ۸۵۸،۸۵۹،۸۹۵،۸۹۶،۸۹۷، ۹۰۰، ۹۰۴،۹۱۹

۹۲۰،۹۲۱،۹۳۰، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۸۴، ۹۸۶، ۱۰۴۵

...........کے دن مجرم مایوس ہوں گے ۲،۵

...........کی گھڑی کا علم ۴۸، ۵۰، ۱۰۴، ۳۵۲، ۳۵۵، ۴۱۶، ۸۹۷

۹۰۶،۹۰۷

...........کے دن اختلافی باتوں کا فیصلہ ۶۰،۶۱

...........کی گھڑی قریب ۱۰۶،۱۰۹، ۳۷۴، ۳۷۵

...........لازماً آئے گی ۱۱۶، ۱۱۷

...........کے دن مُردوں کو جِلا اٹھایا جائے گا ۱۵۰،۱۵۱

۱۵۲، ۱۹۴، ۱۹۵

...........کا وعدہ ۱۸۰، ۱۸۲

...........کا صور ۱۸۴، ۱۸۵، ۲۹۲، ۲۹۳، ۵۲۴

۵۲۶، ۷۹۴، ۷۹۵، ۸۴۶

...........بہت بڑی خبر ۲۵۸، ۲۵۹

...........کے دن خسارہ میں رہنے والے ۲۷۲، ۲۷۳

...........کے دن اللہ کے حضور مقدمہ ۲۷۸، ۲۷۹، ۵۲۸، ۵۲۹

...........کے دن حسرت ۲۹۰، ۲۹۱

...........کے احوال ۲۹۲، ۲۹۳، ۴۱۶، ۴۴۴، ۴۴۵

...........یقینی ۳۱۸

...........کا دھواں ۴۲۰، ۴۲۲

...........کے دن ہر گروہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہوگا ۴۴۴، ۴۴۵

...........حشر کی ندا ۵۳۲، ۵۳۳

...........کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں ۴۷۰، ۴۷۱

...........کی ہولناکی ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۸۸، ۶۱۸، ۶۱۹، ۷۹۶

۷۹۷، ۸۰۲، ۸۳۶، ۸۴۰، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۷۸، ۸۸۰، ۹۰۰

۹۰۹، ۹۱۳، ۹۲۱، ۹۲۷

...........کے دن اٹھائیں جائیں گے ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۷۲، ۷۷۳

...........اکٹھا کرنے کا دن ۷۳۶، ۷۳۷

...........سچ ہو کر رہنے والی ۷۹۴، ۷۹۵

...........کے دن پیشی ۷۹۶، ۷۹۷

...........کے دن قبروں سے سرعت کے ساتھ نکلیں گے ۸۰۸، ۸۰۹

............کے دن کو پیچھے چھوڑنا ۸۷۰،۸۷۵

............واقع ہونے والی ۸۷۸،۸۷۹

............فیصلہ کا دن ۸۷۸،۸۸۰،۸۸۲

............کے دن سب کو جمع کیا جائے گا ۸۸۲،۸۸۴

............ایک بڑی خبر ۸۹۰،۸۹۱،۸۹۸،۹۳۰

............کے بارے میں اختلافات کرنے والے ۸۸۹،۸۹۱،۸۹۵

............کے مؤقف کا نقشہ ۹۳۵،۹۳۶

............روز جزا ۸۹۳،۸۹۵،۸۹۶،۹۲۸

............کائنات کا سب سے بڑا ہنگامہ ۹۰۴،۹۰۹

............وعدہ کا دن ۹۵۰،۹۵۱

............سے خبردار کرنا ۹۰۹

............کا پہلا جھٹکا ۹۰۰،۹۱۹،۹۲۰

............کے دن زماں ومکاں کے پیمانے بدل جائیں گے ۹۲۱

............کانوں کو بہرہ کردینے والی آواز ۹۱۲

............کے دن آسمان کا پھٹ جانا ۸۸۹

............چھا جانے والی آفت ۸۷۲،۹۷۳

............زبردست زلزلہ ۹۸۶،۱۰۴۳،۱۰۴۵

............میدان حشر ۹۳۵

............دوبارہ اٹھایا جانا ۸۹۲

............کے دن موجودہ سوسائٹی کا ڈھانچہ چکنا چور ۹۲۰

............کے دن بھید کھل جائیں گے ۱۰۵۰

............کھڑکھڑانے والی آفت ۱۰۵۲،۱۰۵۳

............کے دن لوگوں کا متفرق طور پر نکلنا ۱۰۵۳

............منکرینِ قیامت کا اشکال ۹۰۰

............کے دن جوابدہی ۱۰۵۶،۱۰۵۷

............دنیا کا اختتام اور سائنس ۸۹۱

............نئے عالم کا تصور اندھا عقیدہ نہیں ۸۹۱

............کے دن مجرمین کا حال ۱۱۰۶،۱۱۰۷

قوموں کی ہلاکت میں سبق ۵۲۸،۵۳۰

قرابت دار کی محبت کا مطلب ۳۷۹

قارون ۳۰۶

قربانی ۱۰۸۸،۱۰۹۱

............کے جانور ۴۹۶،۴۹۷

قبر ۹۱۲،۱۰۴۸

............کے عذاب کی حقیقت ۳۱۵،۳۱۶،۴۷۵

............میں دفن کرنا طریقۂ فطرت ۹۱۳

............قبریں اکھیڑ دی جائیں گی ۹۲۸،۹۳۰

قسم ۹۹۶،۱۰۰۲،۱۰۰۸،۱۰۴۸،۱۰۶۰

............بمعنی شہادت ۵۳۶

............کھانے کا مطلب ۹۲۱

قیامِ لیل

............کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ۸۳۶،۸۳۷،۸۷۴،۸۷۵

............رات کو اٹھنا نفس کو زیر کرنے والا ۸۳۶،۸۳۸

............میں تخفیف کا حکم ۸۴۰،۸۴۱

قتلِ اولاد ۹۱۸،۹۲۰

............کی صورتیں ۷۰۱

............فیملی پلاننگ ۹۲۰

قول وعمل کا تضاد ۷۰۴،۷۰۵

قیدی کو کھانا کھلانا ۸۶۶،۸۶۸

قریش ۱۰۷۱،۱۰۷۳،۱۰۷۷

............نے ابرہہ کا مقابلہ کیوں نہیں کیا ۱۰۷۳

............کو سفر سے الفت ۱۰۷۶،۱۰۷۷

............کو امن وعافیت ۱۰۷۶

............کا سلسلۂ نسب ۱۰۷۹

قدار ۱۰۰۰

قربِ الٰہی ۱۰۲۶،۱۰۳۰،۱۰۳۴

ک

کافر ۸۹۴،۹۱۲،۹۱۵،۹۳۸،۹۴۶،۹۵۴، ۹۵۸،۹۶۱،۹۷۲، ۱۰۹۴،۱۰۹۵

...........اللہ کے حضور کس حال میں کھڑے ہوں گے ۱۳۴، ۱۳۶

...........کافروں کی شکست کی پیشین گوئی ۲۳۸، ۲۳۹

...........کا انجام ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۳۸

۳۳۹، ۳۴۰، ۳۸۶، ۳۸۷، ۵۲۴، ۵۲۶

...........کافر جہنمی ۳۰۰، ۳۰۱

...........کافروں کو معاف نہیں کیا جائے ۳۳۸، ۳۳۹

...........کافروں کا جہنم میں اپنے پیشواؤں اور لیڈروں پر لعنت بھیجنا ۳۴۳

...........اگر یہ امکان نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی طریقہ پر چل پڑیں گے تو

کافروں کو سونے سے مالا مال کر دیا جاتا ۴۰۲، ۴۰۳

...........کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے ۴۶۴، ۴۶۵

...........کافروں کے خصائل ۵۲۴، ۵۲۶

...........کافروں کے لئے تباہی ۵۴۸، ۵۴۹

...........کافروں کیلئے دردناک عذاب ۶۶۰، ۷۳۴

...........کے لئے جہنم ۷۸۶، ۷۸۷

...........قیامت کے دن سجدہ نہ کر سکیں گے ۷۸۶، ۷۸۷

کائنات

...........کے بارے میں ملحدوں کے اس خیال کی تردید کہ وہ بغیر خالق کے

وجود میں آئی ہے ۱۴۷

...........کی تخلیق بامقصد ۲۶۴، ۲۶۵، ۴۲۶، ۴۲۷

۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۸

...........کی وسعت ۳۲۰

...........کی تخلیق چھ دنوں میں ۳۳۰، ۳۳۲، ۵۲۸، ۵۳۰

...........کی منصوبہ بندی ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۵

...........معین مدت کے لئے ۴۴۸

...........کی تخلیق ۱۰۰۳

کشتئ نوح ۱۸۲

کتاب کا وارث کن لوگوں کو بنایا گیا ۱۶۰، ۱۶۱

کفر ۹۷۶، ۹۷۷، ۱۰۳۸، ۱۰۵۰

...........کا وبال ۲۲، ۱۶۰

...........کرنے والوں کیلئے سخت عذاب ۱۴۶، ۱۴۷

...........سے مراد ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱

کھجور کا درخت

...........شگوفے تہ بہ تہ ۵۲۲

کافور

...........جنت کا ایک چشمہ ۸۶۶، ۸۶۷

کوثر ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰

کراماً کاتبین (فرشتے) ۹۲۸، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۳

کہانت ۹۲۲، ۹۲۶

گ

گانا ۳۵، ۳۶

گمراہ کرنے والے لیڈر اور پیشوا

...........ان کا حشر ۱۳۸، ۱۳۹

...........ان کے پیشروؤں کا حشر ۱۳۸، ۱۳۹

گناہوں کی بخشش ۲۸۶، ۲۸۷

گالی دینا فسق ہے ۵۱۱

گیتا ۱۱۱۳، ۱۱۱۴

گھاٹی ۹۹۰، ۹۹۳

گھوڑے ۱۰۴۸، ۱۰۴۹

ل

لقمان

...........کی حکمت ۳۸، ۳۹

...........کی اپنے بیٹے کو نصیحت ۳۸، ۴۰

لوط (علیہ السلام) ۲۲۰، ۲۲۱

...........کے بھائی ۵۲۴

...........کی قوم پر عذاب ۵۴۰، ۵۴۲

...........کی بیوی کی مثال ۷۶۲، ۷۶۵

لھو الحدیث ۳۵، ۳۶

لھو

..........گانے بجانے اور اس کے آلات ۷۲۳

..........شطرنج کیرم ۷۲۳

لوحِ محفوظ ۹۵۴،۹۵۵

لبید بن عاصم ۱۱۱۹

م

متقین (اللہ سے ڈرنے والے) ۸۹۴،۸۹۵

..........کے لئے بہترین ٹھکانہ ۲۵۴

..........کے لئے انعامات ۴۳۰،۴۳۱

..........سے مراد ۵۳۶،۵۳۸

..........کا صلہ ۵۳۵،۵۳۶،۵۵۸،۵۵۹،۷۸۶،۷۸۷، ۸۸۲،۸۸۴

متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) ۶۶،۶۷،۶۸

..........کی مطلقہ سے نکاح جائز ۸۸،۸۹

..........کے سلسلہ میں سیکولر حکومتوں کی قانون سازی ۶۸

مذاہب کی کتابیں ۱۹

مُردے

..........سنتے نہیں ہیں ۲۶،۲۷

مقربین

..........مقرب بنانے والی چیز ۱۳۸،۱۳۹

..........کا صلہ ۶۳۴،۶۳۵

..........مقرب بندے ۹۳۸

ملأ اعلیٰ ۱۹۸،۱۹۹،۲۵۸،۲۵۹

..........شیطان ملأ اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے ۱۹۸،۲۰۰

محسنین

..........سے مراد ۳۵

موسیٰ (علیہ السلام) ۵۴۴،۸۹۸،۹۰۲،۹۰۳، ۹۰۶،۹۶۴،۹۶۸،۹۶۹،۱۰۲۲

..........کو کتاب ۶۰،۲۲۰

..........کو اذیت ۱۱۰،۱۱۱،۷۰۴،۷۰۵

..........کے بارے میں ناقابل قبول روایت ۱۱۱

..........واضح حجت کے ساتھ ۳۰۶،۳۰۷

..........کو کتاب عطا کی گئی تھی مگر اس میں اختلاف کیا گیا ۳۵۲،۳۵۳

..........کو ہدایت عطا فرمانا ۳۱۸

..........پر فرعون کے اعتراضات ۴۰۶،۴۰۷

..........کے صحیفے ۵۷۸،۵۸۰

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ۹۲۵

..........مومنوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ کے حقدار ۶۷،۶۹

..........اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ۷۴،۷۶،۷۹

..........خاتم النبیین ۸۸،۹۱،۹۲،۹۳

..........شاہد، مبشر، نذیر، داعی، اور روشن چراغ ۹۶،۹۷، ۴۸۶،۸۴۰،۸۴۱

..........کے لئے کون سی عورتیں جائز تھیں ۹۶،۹۸،۹۹،۱۰۱

..........کے گھر میں اجازت لئے بغیر داخل نہ ہونا ۱۰۰،۱۰۲

..........پر درود و سلام بھیجنے کی ہدایت ۱۰۴،۱۰۵

..........سلام میں ایہا النبی کہنے کا مطلب ۱۰۵

..........کو اذیت دینے کا گناہ ۱۰۴،۱۰۶

..........بشارت دینے والے ۱۳۴،۱۳۶

..........کی عالمگیر رسالت ۱۳۶

..........کی بے لوث خدمت ۱۴۰،۱۴۳

..........کو شعر گوئی نہیں سکھائی ۱۹۰،۱۹۱

..........کی طرف وحی ۲۵۸،۲۵۹،۵۷۰،۵۷۱

..........بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ۲۶۰،۲۶۱

..........آپ کو بھی موت آنی ہے ۲۷۸،۲۷۹

..........آپ برزخ میں زندہ ہیں ۲۷۹

..........آپ کو حاضر و ناظر سمجھنا غلط ہے ۲۷۹

..........آپ کو استغفار کی ہدایت ۳۱۸،۳۱۹

..........ایک بشر ۳۳۰

............آپ پر وحی کس طرح آتی تھی ۳۸۸،۳۸۹
............آپ قبل نبوت کتاب سے نا آشنا تھے ۳۸۸،۳۹۰
............کی رسالت کا انکار کفر ہے اور کفر کے ساتھ ایمان معتبر نہیں
۴۶۴،۴۶۵،۴۹۲،۴۹۳
............جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا مسئلہ ۴۶۶
............آپ اور علم غیب ۴۵۳
............آپ کو کھلی فتح ۴۸۴،۴۸۵
............آپ کے اگلے پچھلے قصور معاف ۴۸۴،۴۸۵
............آپ کے لئے زبردست نصرت ۴۸۴،۴۸۵
............آپ کی تعظیم ۴۸۸،۴۸۹
............کے ہاتھ پر بیعت اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہے ۴۸۸،۴۸۹
............آپ کی رویا سچی رویا تھی ۴۹۶،۴۹۸
............آپ کی بعثت دین حق کے ساتھ ۴۹۶
............کے ساتھی کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ۴۹۶،۵۰۱
............آپ کے ساتھیوں کے اوصاف تورات اور انجیل میں
۵۰۰،۵۰۱
............آپ نے بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ۵۷۰،۵۷۲
............آپ نے جبریل کو اپنی اصل شکل میں دیکھا ۵۷۰،۵۷۲
............کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا ۵۷۳
............پر آیاتِ الٰہی کا نزول ۶۴۲
............کی اطاعت کا حکم ۶۷۸،۶۷۹
............کا عورتوں سے بیعت لینا ۷۰۰،۷۰۱
............کے بارے میں حضرت عیسیٰ کی پیشینگوئی ۷۰۴،۷۰۶،۷۰۷
............واقعۂ تحریم ۷۵۸،۷۵۹
............کیا آپ نے اپنے اوپر شہد کو حرام کر لیا تھا؟ ۷۶۰
............راز کی بات جو آپ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ سے کہہ دی تھی
۷۶۰،۷۶۱
............دیوانے نہیں ۷۸۰،۷۸۱،۹۲۴،۹۲۵
............اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ۷۸۰،۷۸۱
............چادر میں لپٹنے والے ۸۳۶،۸۳۷،۸۴۶،۸۴۷
............آپ کو یہ حکم کہ اٹھو اور خبردار کرو ۸۴۶،۸۴۷
............کا سلسلۂ نسب ۱۰۷۹
............کو کوثر عطا کیا جانا ۱۰۸۸
............بعثت سے پہلے ۱۰۱۰،۱۰۱۱
............نبوت کا اعزاز ۱۰۱۵
............کا دشمن خیر سے محروم ۱۰۹۲
............کی ذمہ داری ۱۰۱۲،۱۰۱۵
............پر اللہ کے احسانات ۱۰۱۱،۱۰۱۲
............کو خوش خبری اور تسلی ۱۰۰۹،۱۰۱۵،۱۰۱۶
............بعثت سے پہلے توحید پر قائم ۱۰۱۰،۱۰۱۱
............کی آزمائش ۱۰۰۹
............کا تیوری چڑھانا ۹۱۰،۹۱۱
............کا یتیموں اور کمزوروں کے ساتھ رویہ ۱۰۱۱
............کا شرح صدر ۱۰۱۴،۱۰۱۵
............کا ذکر بلند ۱۰۱۴،۱۰۱۵
............کا عبادت میں انہماک ۱۰۱۶
............کی راہ کی مشکلات ۱۰۰۹
............کے لئے عطاو بخشش ۱۰۱۰
............یتیم پیدا ہوئے تھے ۱۰۱۰
............کی دعوت ۱۰۹۵،۱۰۹۶
............کا مشرکین سے اعلان برأت ۱۰۹۶
............کا عذاب سے خبردار کرنا ۱۱۰۶
............کی خدمت میں وفود ۱۱۰۱
............کا دنیا سے رخصت ہو جانے کا اشارہ سورۂ نصر میں ۱۰۹۹
............آپ پر جادو کا اثر نہیں ہوا تھا ۱۱۱۹
............نبی ﷺ پر جادو والی روایت قرآن کے خلاف ۱۱۱۹
............جادو اور عصمتِ انبیاء ۱۱۱۸،۱۱۲۰
موتی اور مرجان ۱۵۱،۶۰۸،۶۰۹،۶۱۰
مویشی کی آٹھ قسمیں پیدا کیں ۲۶۴،۲۶۶

موت

..........کی بے ہوشی حق لے کر آتی ہے ۵۲۴، ۵۲۶

..........کے وقت کی تمنا ۷۰۲، ۷۳۲

..........کے وقت کی حالت ۸۶۲، ۸۶۳

مسلم

..........سب سے پہلے مسلم ۲۶۸، ۲۷۰

..........اپنے مسلم ہونے کا اعلان کرنا ۳۴۲، ۳۴۴

..........مسلمانوں کے اختلافات ۴۳۸

..........موجودہ دور کے مسلمانوں کا حال ۶۴۷

منافقین

..........کا حال ۴۷۶، ۴۷۸، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳

..........کو سزا ۴۷۶، ۴۷۹

..........زبان سے وہ کہتے ہیں جو دل میں نہیں ۴۸۸، ۴۸۹

..........نور سے محروم رہیں گے ۶۴۲، ۶۴۳

..........ایسی قوم سے دوستی جس پر اللہ کا غضب ہوا ۶۶۶، ۶۶۸

..........جھوٹی قسمیں کھانا ۶۶۶، ۶۶۸

..........جھوٹا کلمہ پڑھتے ہیں ۷۲۶، ۷۲۷

..........چرب زبان ۷۲۷

..........ڈیل ڈول والے ۷۲۷

..........کو اللہ معاف نہیں کرے گا ۷۲۶، ۷۲۷

..........ان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مغفرت بھی مفید نہیں ہو سکتی ۷۲۶، ۷۲۸

..........عبداللہ بن ابی کی شر انگیز باتیں ۷۳۱

مؤمن

..........آپس میں بھائی بھائی ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰

..........ان کے دو گروہ اگر لڑ پڑیں تو صلح کرانا ۵۰۸، ۵۰۹

..........ان کے درمیان انصاف کرانا ۵۰۸

..........ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں ۵۰۸، ۵۱۰، ۵۱۱

..........طعن نہ کریں ۵۰۸، ۵۱۰

..........بُرے لقب سے نہ پکاریں ۵۰۸، ۵۱۰

..........ٹوہ میں نہ لگیں ۵۰۸، ۵۱۲

..........حقیقت میں کون ہیں ۵۱۶، ۵۱۷

..........مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کا نور ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۶۴، ۶۶۵

منحوس دنوں سے مراد ۳۳۵

مظلوم

..........کو بدلہ لینے کا حق ہے ۳۸۲، ۳۸۵

..........مدافعت کا حق ۳۸۲، ۳۸۵

مبارک شب ۴۲۰، ۴۲۱

..........سے مراد پندرہویں شعبان نہیں ۴۲۱

.... شب برأت کی فضیلت نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ صحیح حدیث سے ۴۲۱

مکہ ۹۹۰، ۹۹۱، ۱۰۰۸، ۱۰۲۲

..........کی وادی ۵۹۶، ۵۹۷

..........فتح مکہ ۱۱۰۱، ۱۱۰۲

مسجد حرام

..........کافروں کا مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنا ۴۹۶، ۴۹۷

..........میں داخل ہونے کی بشارت ۴۹۶، ۴۹۸

مذہبی طریقے اپنی طرف سے ایجاد کرنے والے ۳۷۴، ۳۷۶

معیشت کی تقسیم میں تفاوت کی مصلحت ۳۹۸

مریم بنت عمران

..........کی مثال ۷۶۲، ۷۶۶

..........نے اپنی عصمت کی حفاظت کی ۷۶۲

..........اطاعت گزار تھیں ۷۶۲، ۷۶۶

مال و دولت

..........میں حق سائل اور محروم کا ۵۳۶، ۵۳۹، ۸۰۵

..........فے کا حکم ۶۷۴، ۶۷۶

..........دولت کا بہاؤ مالداروں کی طرف نہیں ہونا چاہئے ۶۷۸، ۶۷۹

..........مال واولاد آزمائش ۷۳۶، ۷۳۸

...........سینت سینت کر رکھنا ۸۰۲، ۸۰۳
...........کا خرچ کرنا ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۵
...........کا گھمنڈ ۱۰۶۵، ۱۰۶۶
...........ارباب مال کا فریب میں مبتلا ہونا ۱۰۶۶
...........سے محبت ۹۸۴، ۱۰۴۸، ۱۰۵۰، ۱۰۸۵
...........زر پرستی ۹۸۶، ۱۰۶۶
...........مال کا اڑانا ۹۹۰، ۹۱۱
...........مال کام نہ آنا ۱۰۰۲
...........زیادہ حاصل کرنے کی طلب ۱۰۵۶، ۱۰۵۷
...........معیار زندگی ۱۰۵۷
...........مال سمیٹنا ۱۰۶۴
...........سرمایہ پرستی ۱۰۶۶

میزان ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴
...........میزانِ عدل ۶۰۲، ۶۰۴، ۶۵۰، ۶۵۲
...........وزن میں کمی نہ کرنا ۶۰۲، ۶۰۴

مسکین ۹۸۴، ۹۹۰، ۹۹۴
...........کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا جرم ہے ۷۹۸
...........کو کھانا کھلانے کی ترغیب ۹۸۵، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳
...........کو کھانا نہ کھلانا ۸۵۴، ۸۵۵
...........کی مدد ۹۹۴، ۱۰۸۵

مشرکین ۱۰۳۸، ۱۰۳۹
...........مشرکوں کو چیلنج ۷۸۶، ۷۸۷
...........کا انجام ۸۸۹، ۸۹۷
...........مشرکینِ مکہ کے خیالات ۸۹۱، ۸۹۳، ۸۹۵، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۱۱۳
...........کیلئے شفاعت نہیں ۸۹۶
...........اپنی دنیا بنانے میں مست ۸۹۷
...........مشرکین مکہ کی نماز ۱۰۸۳، ۱۰۸۴
...........ہندوستان کے مشرکین ۱۱۱۴
...........مشرکین کا عقیدہ ۱۱۱۱، ۱۱۱۲
...........مشرکینِ مکہ کی بت پرستی ۱۰۹۵
...........مشرکانہ مذاہب میں خدا کے جنم لینے کا تصور ۱۱۱۴

مسجدیں
...........اللہ کے لئے ۸۲۸، ۸۲۹
...........مسجدوں میں بدعتیں ۸۳۰

مہاجر عورتیں ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸

مصیبت
...........کب نازل ہوتی ہے ۶۵۰، ۶۵۱
...........پر صبر ۶۵۰، ۶۵۱
...........اللہ کے اذن ہی سے آتی ہے ۷۳۷

موالات کے تعلقات
...........اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھنے والوں سے نہ رکھے جائیں
۶۷۰، ۶۷۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۷۰۰، ۷۰۱

مجلس کے آداب
...........کشادگی پیدا کرنے کا حکم ۶۶۶، ۶۶۷

منکرین ۹۵۹، ۹۷۷، ۱۰۵۳

مُعوذتین ۱۱۱۵، ۱۱۲۳

ماعون ۱۰۸۵

مادۂ تولید
...........ریڑھ اور پسلیوں کے درمیان سے نکلنے کا مطلب ۹۶۰

مویشی ۹۰۲، ۹۰۶

معجزہ
...........اونٹنی کا معجزہ ۱۰۰۰
...........لاٹھی کا سانپ بن جانا ۹۰۳

میراث ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶

معراج ۱۰۸۹

مشکلات
...........کے ساتھ آسانی ۱۰۱۴، ۱۰۱۵

ملائیت وقدامت پسندی ۹۴۰

مدائن صالح ۹۸۲

ن

نامۂ اعمال ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۹، ۹۴۲، ۹۴۴، ۹۴۷

............آثار (نقوش بھی ضبطِ تحریر میں) ۱۶۸، ۱۷۱، ۹۲۱

............تیار کرنے والے ۹۲۸

............کی بولتی فلم ۹۳۱

............ریکارڈ آفس میں محفوظ ۹۳۶، ۹۳۸

............بائیں ہاتھ میں دیا جانا ۹۴۲، ۹۴۳

............دہنے ہاتھ میں دیا جانا ۹۴۲

نبی

............کے معنی ۶۷

............نبی علم ویقین کی بنیاد ہی پر کسی کو قرار دیا جاسکتا ہے ۱۵۷

............نبیوں سے عہد ۷۰، ۷۱

............نبیوں کا مذاق اڑانا ۳۹۸، ۳۹۹

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۹۲۵

............آپ کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت ۵۰۴، ۵۰۵

............آپ سے اس طرح نہیں بولنا چاہئے جس طرح دوسرے لوگوں سے بولا جاتا ہے ۵۰۴، ۵۰۵

............آپ کے سامنے آواز کو پست رکھنا ۵۰۴، ۵۰۵

............آپ کو گھر کے باہر سے پکارنا بے عقلی کی بات ہے ۵۰۴، ۵۰۵

............ثابت بن قیس کا واقعہ ۵۰۵

............قبر کے باہر سے آپ کو پکارنا ۵۰۶

نماز ۹۶۴، ۱۰۲۶، ۱۰۳۸، ۱۰۴۰، ۱۰۸۸، ۱۰۹۰

............قائم کرنے کا حکم ۱۶، ۱۸، ۳۸، ۴۱، ۸۲

............قائم کرنے کا مطلب ۱۵۸

............اہتمام کے ساتھ ادا کرو ۶۶۶، ۸۴۰، ۸۴۲

............نماز تربیت کرتی ہے ۸۰۴، ۸۰۵

............کی حفاظت کرنا ۸۰۴، ۸۰۵

............نماز نہ پڑھنا کافروں کی خصلت ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۶۲، ۸۶۴

............حقیقی نماز ۱۰۸۳، ۱۰۸۴

............رسمی نماز ۱۰۸۴

............دکھاوے کی نماز ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴

............حقیقی اور رسمی نماز کا فرق ۹۶۸

............نماز یوگا نہیں ۹۶۸

............اللہ کی یاد ۹۶۸

............سے غافل ۱۰۸۲، ۱۰۸۳

نوح (علیہ السلام) ۲۰۸، ۲۰۹

............کا ذکرِ جمیل باقی ۲۰۸، ۲۱۰

............کی نسل باقی ۲۰۸، ۲۱۰

............کی قوم ۳۰۰، ۳۰۸، ۵۲۴

............کی نسل میں نبوت اور کتاب ۶۵۰، ۶۵۲

............کی بیوی کی مثال ۷۶۲، ۷۶۵

............طوفان اور کشتیٔ نوح ۷۹۴، ۷۹۵

............کی دعوت ۸۱۲، ۸۱۳

............پہلے رسول ۸۱۳

............کی دعوت میں اِنذار کا پہلو ۸۱۳

............کے دعوت کے طریقے ۸۱۴

............کی دعا ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۲۰، ۸۲۱

ناشکرا ۲۶۴، ۲۶۶

نذر و نیاز ۲۶۶

نذر پوری کرنے کی تاکید ۸۶۶، ۸۶۸

نیند ۸۹۰، ۸۹۲

............کی حالت موت سے مشابہ ۲۸۲، ۲۸۳

نکاح میں کفاءت کا مسئلہ ۵۱۳، ۵۱۴

نشانیاں

............توحید کی ۲۸۰، ۲۸۳، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۴۲، ۳۴۵، ۳۷۸، ۳۸۰، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۵۲۰، ۵۲۲، ۵۲۵

............قرآن کی صداقت عنقریب آفاق والنفس میں ظاہر ہوگی ۳۵۸، ۳۵۹

............زمین میں ظاہر ۵۴۱،۵۴۰
............نفس میں ۵۴۱،۵۴۰
نظرلگ جانا
............حدیث العین حق کا صحیح مفہوم ۷۹۱، ۷۹۲
............نظر لگنے کا جاہلی تصور ۷۹۲
............شفایابی کے لئے دعائے مسنونہ ۷۹۲
نصرتِ الٰھی ۱۱۰۱
نصیحت ۹۱۰، ۹۱۴، ۹۷۷
............کرتے رہو ۵۴۸، ۵۴۹
نطفه
مخلوط نطفے سے انسان کی پیدائش کا مطلب ۸۶۷
نجویٰ (سرگوشی)
............گناہ کی باتیں کرنا منع ۶۶۴، ۶۶۵
نفاثات
............کا مطلب ۱۱۱۸
............شیطان کے نفث سے مراد ۱۱۱۸
نجران ۹۵۲
نیکی وبدی کا شعور ۹۹۸
نفس
............کو درست بنانے کا مطلب ۹۹۷، ۹۹۸
............نفس کا تزکیہ ۹۹۸، ۹۹۹
............نفس مطمئنہ کا مطلب ۹۸۴، ۹۸۷
............نفس کا حقیقی ارتقاء ۹۹۸
ناپ تول میں کمی کرنے والے ۹۳۴، ۹۳۵
نعمتیں ۸۹۴، ۹۱۲، ۹۱۳، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸
............کا ناجائز استعمال ۱۰۵۶، ۱۰۵۸
............نعمت کا اظہار ۱۰۰۸

و

والدین
............کے ساتھ حسن سلوک ۳۸، ۴۰، ۴۵۲، ۴۵۴
وید ۴۵، ۱۱۱۲، ۱۱۱۴
............میں خداؤں کی پیدائش کا ذکر ۱۱۱۲
واسطے اوروسیلے
............غیراللہ کی عبادت تاکہ وہ اللہ سے قریب کردیں ۲۶۴، ۲۶۶
وحی ۳۶۲، ۲۶۳
............ایک مخفی ذریعہ ۳۶۳
............وحی کی صورت میں اللہ کا کلام کرنا ۳۸۸، ۳۸۹
............کا ذکر تورات، زبور اور انجیل میں ۳۸۹
وحدۃ الوجود کی گمراھی مسلمانوں میں تصوف کی راہ سے آئی ۳۹۵
ولید بن عقبہ کے بارے میں ایک روایت کی تردید ۵۰۶
وھابیت کا لقب دینا ۵۱۱
وعید ۹۵۲، ۱۰۸۵
............سے ڈرنے والے ۵۳۲، ۵۳۴
............کا واقع ہونا ۵۲۴، ۵۲۵
............کا دن ۵۲۴، ۵۲۶
............سے خبردار کردیا گیا تھا ۵۲۸، ۵۲۹
وسوسه
............کے معنی ۵۲۵، ۱۱۱۵
............شیطان کا سینوں میں وسوسہ ڈالنا ۱۱۲۷
ویل کے معنی ۸۸۰
وادیٔ مُحسر ۱۰۷۱
وحدت ادیان ۱۰۹۶

ھ

ھارون (علیہ السلام) ۲۱۶، ۲۲۱
ھدایت یافتہ لوگ ۳۴، ۳۵
ھدایت ۱۰۰۲، ۱۰۰۴، ۱۰۲۶

............انبیائی ہدایت ۱۱۱۱
............میں اضافہ ۴۷۱،۴۷۰
ھوائیں ۹۰۰،۸۹۹،۸۹۸،۸۹۷
............خوشخبری دینے والی ۲۴،۲۲
............بادلوں کواٹھانے والی ۱۵۰،۲۷،۲۶
............گرداڑانے والی ۵۳۷،۵۳۶
ھجرت ۲۷۰
ھامان ۳۰۶
ھندوازم ۳۹۵
ھوازن سے معرکۂ آرائی ۴۹۳
ھُبل ۱۱۰۱
ھاویه ۱۰۵۴،۱۰۵۲
ھود (علیہ السلام) ۹۷۸
ھمدردی ۱۰۸۳،۹۹۴،۹۹۰
یعقوب (علیہ السلام)
............قوت عمل اور بینائی رکھنے والے ۲۵۵،۲۵۴
............آخرت کے لئے خالص ۲۵۵،۲۵۴

ی

یونس (علیہ السلام)
............کومچھلی کانگلنا ۲۲۳،۲۲۲
............کوتسبیح کی بدولت نجات ۲۲۳،۲۲۲
............کوایک لاکھ سے زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا گیا ۲۲۲
............کی قوم ایمان لائی ۲۲۴،۲۲۲
............مچھلی والے ۷۹۱،۷۹۰
یاددھانی ۲۷۳،۲۷۲
یوسف (علیہ السلام) ۳۱۲
یھود ۷۲۱،۷۲۰،۷۱۷،۷۱۶
یتیم ۱۰۰۹،۱۰۰۸،۹۹۴،۹۹۰،۹۸۵،۹۸۰
............کودھکے دینا ۱۰۸۳،۱۰۸۲
یوگا ۹۹۹
یمن ۱۰۷۸،۱۰۷۷،۱۰۷۱

Printed at:
Pixel Art Printers F/19 Match Factory Lane,
Kurla West Mumbai 400070
Mobile : 9820790615

قرآنِ کریم کا ترجمہ و تفسیر پانچ زبانوں میں

تالیف : شمس پیرزادہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ اردو			Rs.
دعوۃ القرآن	جلد اول پارہ ۱ تا ۲۰		1100 /-
	جلد دوم پارہ ۲۱ تا ۳۰		450/-
۲۔ مراٹھی			
دعوۃ القرآن	جلد اول پارہ ۱ تا ۱۰		120/-
	جلد دوم پارہ ۱۱ تا ۲۰		120/-
	جلد سوم پارہ ۲۱ تا ۳۰		120/-
۳۔ گجراتی			
دعوۃ القرآن	جلد اول پارہ ۱ تا ۱۰		350/-
	جلد دوم پارہ ۱۱ تا ۲۰		180/-
	جلد سوم پارہ ۲۱ تا ۳۰		300/-
۴۔ ہندی			
دعوۃ القرآن	جلد اول پارہ ۱ تا ۱۰		350/-
	جلد دوم پارہ ۱۱ تا ۲۰		350/-
	جلد سوم پارہ ۲۱ تا ۳۰		480/-
۵۔ انگریزی			
دعوۃ القرآن	جلد اول پارہ ۱ تا ۱۰		380/-
	جلد دوم پارہ ۱۱ تا ۲۰		285/-
	جلد سوم پارہ ۲۱ تا ۳۰		460/-
تفسیر پارۂ عم علیٰحدہ	اردو		70/-
تفسیر پارۂ عم علیٰحدہ	ہندی		120/-
تفسیر پارۂ عم علیٰحدہ	گجراتی		65/-
تفسیر پارۂ عم علیٰحدہ	انگریزی		150/-

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹۔ محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳ ☆ فون: ۲۳۴۶۵۰۰۵